نغمہ زار

حفیظ جالندھری

نغمہ زار

یعنی

ابو الاثر حفیظ جالندھری

(المخاطب بہ ملک الشعرا احسان الملک بہادر)

کا

اولین مجموعۂ کلام

جو سنہ ۱۹۲۵ء سے پیشتر کی نیچرل اور مترنم نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے

ملنے کا
پتہ
مکتبہ اردو دھلی
قیمت عمہ ۸ر

فہرست مضامین

تہدیہ

طبع اول کے وقت میں نے نغمہ زار کو اپنے اُستاد

حضرت مولانا غلام قادر گرامی کے نام نامی سے معنون کیا

تھا۔ آج وہ جسمانی طور پر دنیا میں موجود نہیں۔ مگر ان کی روح

کا تعلق مجھ سے اور میری شاعری سے بدستور موجود ہے

اس لئے میں نغمہ زار کو ہمیشہ کے لئے یادگرامی سے وابستہ کرتا ہوں

حفیظ
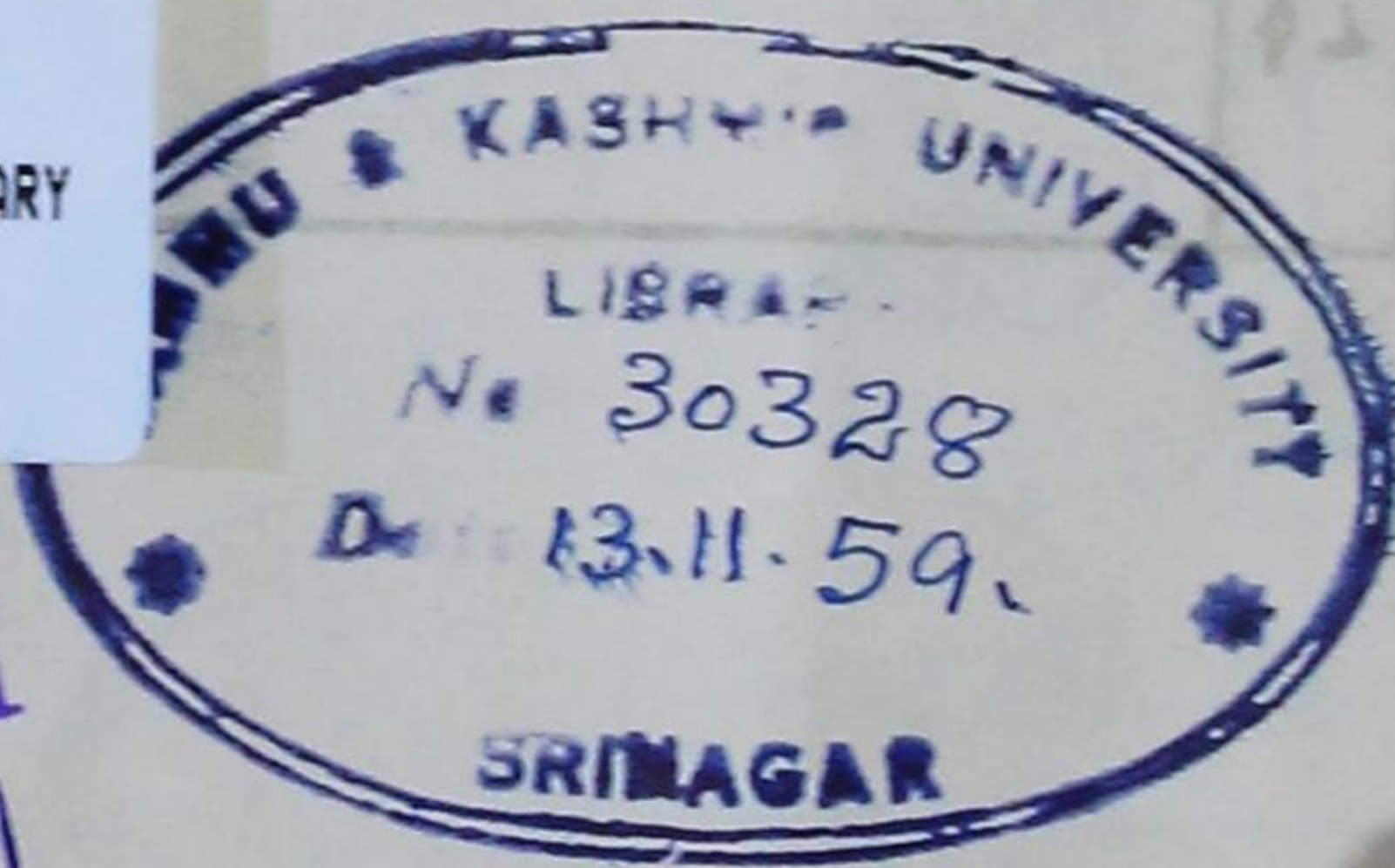
ارشادِ گرامی

فخر ایشیا، ملک الشعراء حضرت استاذِ مکرم مولانا شیخ غلام قادر صاحب گرامی (قدس سرہٗ) نے ذیل کے اشعار آبدار اس عاجز کے کلام کے متعلق ارشاد فرماکر ذرّے کو آفتاب بنا دیا تھا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ ان اشعار کو پڑھتا ہوں اور شرمندہ ہوتا ہوں کہاں گرامی شہنشاہِ اقلیم سخن اور کہاں حفیظ گدائے گوشہ نشین اور عامی کج مج زباں۔ لیکن گرامی کی نسبت نے اس کو گرامی کر دیا ؎

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ　　ذرّہ آفتاب تابانیم

حفیظ

فصاحت مجسم بلاغت مصوّر — کلامِ حفیظ است اللہ اکبر

معانی دلآویز الفاظ دلکش — کلامِ حفیظ است یا سلکِ گوہر

معانی در آغوش الفاظ پنہاں — بآب ست ماہی بآتش سمندر

معانی در الفاظ پنہاں و پیدا — بہم کردہ فکرش مگر شیر و شکر

فصیح معظم، بلیغ مکرم! — حفیظ سخن گو حفیظ سخنور

بہ فہرست معنی ست نامش مقدم — بہ بزم گرامی کلامش مؤخر

بہ نسبت بود داغ را با حفیظم — مؤخر مقدم مقدم مؤخر

بطرز آفرینی طبعِ بلندش — بود آسمان کارگاہِ محقق

گرامی سحر گفت سالک[1] بگوشم

زبان حفیظ است یا موج کوثر

---

[1] جناب سالک جٹالوی سے مراد ہے
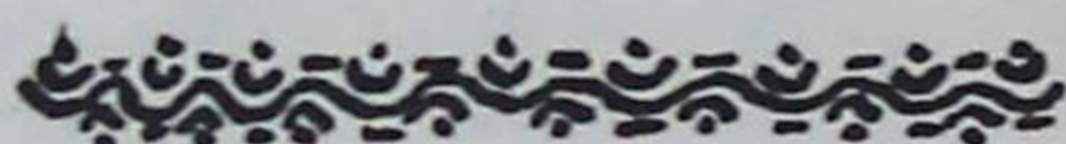
ترنّم

جوشِ عقیدت

خامہ انوار فشاں مدحِ شہنشاہ میں ہے
برق ایمن کا اثر ایک پرِ کاہ میں ہے
طور مشعل لئے ہر ہر قدم اس راہ میں ہے
کبھی خورشید میں ہے فکر کبھی ماہ میں ہے
دل یہ کہتا ہے کہ ذرّے کو موسیٰ کر دوں
آنکھ جس کوہ پہ ڈالوں اُسے سینا کر دوں

بادۂ صدق سے لبریز ہے مینائے سخن
چھلکی پڑتی ہے مرے جام سے صہبائے سخن
ضو فگن سینے میں ہے طورِ تجلّائے سخن
آج خود محوِ تماشا ہے تماشائے سخن

کس کے دربار میں مصروف عقیدت ہوں میں
سر بسر غوطہ زنِ بحرِ محبت ہوں میں

کس کے پرتو سے پُرانوار ہے چہرا میرا
کہ تماشائی ہے ہر دیدۂ بینا میرا
جس کو دیکھو وہ ہے بے تاب تماشا میرا
جانے کیا دیکھتا ہے دیکھنے والا میرا

عشق بھی حسن ہے۔ ایسا نظر آتا ہے مجھے
پسِ پردہ کوئی بیٹھا نظر آتا ہے مجھے

جلوۂ سحر

(۱)

تمام ملکِ ہست پر بلند اور پست پر

قلمروِ حیات پر

تمام کائنات پر

خموشیوں کا ہے چلن سکوت حکمران ہے

فسونِ مرگ سکّہ زن حیات بے نشان ہے

وہ جوش زندگی نہیں

ہنسی نہیں خوشی نہیں

وجود بے وجود ہے جمود ہی جمود ہے

تمام ملکِ ہست پر بلند اور پست پر

(۲)

خموشیوں کا راج ہے نہ تخت ہے نہ تاج ہے

امیر کج کلاہ چپ

فقیر خانقاہ چپ

ہوئے خوشی سے ہم بغل الم نصیب نیند میں

بنے ہیں صاحب ودل کئی غریب نیند میں

نہ حسرتیں نہ خواہشیں

نہ محنتیں نہ کاہشیں

نہ رنجشیں نہ اُلفتیں مسرتیں نہ کُلفتیں

خموشیوں کا راج ہے نہ تخت ہے نہ تاج ہے

(۳)

فلک پر ایک کارواں کہاں سے آگیا کہاں

کوئی صدائے پا نہیں

جَرس نہیں درا نہیں

مسافران شب مگر تھکن سے چور ہو گئے

نہ ختم ہو سکا سفر تو چلتے چلتے سو گئے

یہ انجمن کی انجمن

سرود اس کی خامشی سفر نصیب زندگی
فلک پہ ایک کارواں کہاں سے آگیا کہاں

(۴)

یکایک ایک نُور کا غبارِ شرق سے اُٹھا
جو رفتہ رفتہ بڑھ چلا
اور آسماں پہ چھا گیا
حسینۂ نمود نے سیہ نقاب اٹھا دیا
فسوں گرِ شہود نے طلسمِ شب مٹا دیا
یکایک ایک تازگی
یکایک ایک روشنی
نگاہِ جاں میں آگئی حیات میں سما گئی
یکایک ایک نور کا غبار شرق سے اٹھا

(۵)

چلا ستارۂ سحر سُنا کے صبح کی خبر
زمیں پہ نور چھا گیا
فلک پہ رنگ آگیا

تمام زادگانِ شب چمک چمک کے سو گئے
شرارِ آسمانِ شب ڈمک ڈمک کے سو گئے
ستارے زرد ہو چکے
چراغ سرد ہو چکے
وہ ٹمٹما کے رہ گئے یہ جھلملا کے رہ گئے
چلا ستارۂ سحر سنا کے صبح کی خبر

(۶)

عبادتوں کے در کھلے سعادتوں کے گھر کھلے
درِ قبول وا ہوا
دعا کا وقت آگیا
اذان کی صدا اٹھی جگا دیا نماز کو
چلی ہے اٹھ کے بندگی لئے ہوئے نماز کو
صنم کدہ بھی کھل گیا
اٹھا ہے شور سنکھ کا
اٹھو پجاریو اٹھو چلو نمازیو چلو

عبادتوں کے در کھلے سعادتوں کے در کھلے

(۷)

کسان اُٹھ کھڑے ہوئے مویشیوں کو لے چلے
کہیں مزے میں آگئے
تو گوٹی تان اُڑا گئے

یہ سرد و شبنمی ہوا یہ صحت آفریں سماں
یہ فرشِ سبز گھاس کا یہ دلفریب آسماں
بسے ہوئے ہیں پریت میں
ہیں محو اُن کے گیت میں

کہاں ہیں شہر کے مکیں؟ وہ بے نصیب اٹھے نہیں
کسان اُٹھ کھڑے ہوئے مویشیوں کو لے چلے۔

(۸)

کھلا وہ غنچۂ سحر ہوا وہ حسن جلوہ گر
وہ مسکرا کے اک کرن
ہوئی افق پہ خندہ زن

وہ برق سی چمک اٹھی سحاب کے غبار میں
وہ آگ سی بھڑک اٹھی اُفق کے لالہ زار میں
وہ ذرّہ ذرّہ خاک کا
نظر فروز ہو گیا
وہ قطرہ قطرہ آب کا چمک اُٹھا دمک اُٹھا
علاوہ حجلۂ سحر ہوا وہ حُسن جلوہ گر

(۹)

اُٹھی حسینۂ سحر پہن کے سر پہ تاجِ زر
لباسِ نور زیبِ بر
چڑھی فرازِ کوہ پر
وہ خندۂ نگاہ سے پہاڑ طور بن گئے
وہ عکسِ جلوہ گاہ سے سحاب نور بن گئے
نوائے جوئے بار اُٹھی
صدائے آبشار اُٹھی
ہواؤں کے رباب اُٹھے کوشش آمدید کے لئے

اُٹھی حسینۂ سحر پہن کے سرپر تاج زر

(۱۰)

نسیم سرسرا گئی چمن میں گُل کھلا گئی
کلی کو گدگدا گئی
تو پھول کو ہنسا گئی
طرب کے سیلِ نور سے جہاں کی نیند ڈھل گئی
حیات کے وفور سے خوشی کی آنکھ کھُل گئی
گلوں کی نکہتیں اُٹھیں
ہوا کے دوش پر چلیں
پڑی جو مہر کی نظر تو اوس بن گئی گہر
نسیم سرسرا گئی چمن میں گُل کھلا گئی

(۱۱)

پرند نغمہ ریز ہیں ہوائیں عطر بیز ہیں
ہے طائروں کی راگنی
فضاؤں میں بسی ہوئی

ہوا کی لرزشیں بڑھیں چمن کی نہر جاگ اٹھی
ضیا کی بارشیں ہوئیں ہر ایک لہر جاگ اٹھی

ترنّم ہزار سے
گلوں کو وجد آگیا

ترانے سُن کے حمد کے درخت جھومنے لگے
پرند نغمہ ریز ہیں ہوائیں عطر بیز ہیں

(۱۲)

کنارِ گنگ برہمن جوان و پیر۔مرد و زن
چڑھا کے دیوتا کو جل
وہ جھک رہے ہیں سر کے بل

وہ اک حسین گھاٹ پر نہا رہے ہیں گلبدن
بروئے آب سر بسر کھلا ہوا ہے اِک چمن

وہ اک مہا تپسوی
بہت بڑا جتی ستی

اور ہی جہان میں لگا ہے گیان دھیان میں

کنارِ گنگ برہمن جوان پیر۔ مرد و زن

(۱۳)

اُٹھے حسین خواب سے کہ دھوئیں منھ گلاب سے

یہ عشوہ سازیوں میں ہیں

ادا طرازیوں میں ہیں

اُدھر سے عشق بھی اُٹھا مگر ہے اپنی ہانک میں

اُدھر گیا اِدھر پھرا فضول تاک جھانک میں

شباب جس کی رات بھی

نشاط و عیش میں کٹی

وہ نیند ہی کا ہو گیا اُٹھا پھر اٹھ کے سو گیا

اُٹھے حسین خواب سے کہ دھوئیں منھ گلاب سے

(۱۴)

طرب نواز جاگ اُٹھے اور اُنکے ساز جاگ اٹھے

ہوا ہے راگ منتشر

فضا میں کھیل کھیل کر

اُمنگ کے خروش میں   خیال کی ترنگ میں
سب اپنے اپنے جوش میں   سب اپنے اپنے رنگ میں

اساوری کی لَے اُٹھی
دِلوں کو مست کر گئی

ہواؤں میں سماگئی   فضاؤں کو بسا گئی
طرب نواز جاگ اُٹھے   اور ان کے ساز جاگ اُٹھے

فرصت کی تلاش

یوں وقت گزرتا ہے فرصت کی تمنّا میں
جس طرح کوئی پتّا
بہتا ہوا دریا میں
ساحل کے قریب آکر
چاہے کہ ٹھہر جاؤں
اور سیر ذرا کرلوں اس عکسِ مشجّر کی
جو دامنِ دریا پر زیبائشِ دریا ھے
یا بادِ کا وہ جھونکا
جو وقفِ روانی ھے

اک باغ کے گوشے میں

چاہے کہ یہاں دم لوں

دامن کو ذرا بھر لوں

اُس پھول کی خوشبو سے جس کو ابھی کِھلنا ہے

فرصت کی تمنّا میں یوں وقت گزرتا ہے

افکارِ معیشت کے فرصت ہی نہیں دیتے

میں چاہتا ہوں دل سے

کچھ کسبِ ہنر کر لوں

گُلہائے مضامیں سے

دامانِ سخن بھر لوں

ہے بخت مگر واژوں

فرصت ہی نہیں ملتی

فرصت کو کہاں ڈھونڈوں فرصت ہی کا رونا ہے

پھر جی میں یہ آتی ہے

کچھ عیش ہی حاصل ہو
دولت ہی ملے مجھ کو
وہ کام کوئی سوچوں
پھر سوچتا یہ بھی ہوں

فرصت ہی بس ہونا ہے یہ سوچنے کا دھندا
افکار معیشت کے فرصت ہی نہیں دیتے

چاند کی سیر

(۱)

عطر بیز لالہ زار نغمہ ریز جوئے بار
حشر خیز آبشار
کیفِ موجِ بیقرار چاندنی میں کوہسار
تھا بہار در بہار
میں یہ شان کردگار دیکھتا چلا گیا

(۲)

شہر اور بن خموش دشت اور چمن خموش

تن خموش، من خموش

سب جہاز راں خموش　کشتئ رواں خموش

بحرِ بے کراں خموش

اور میں بھی ہاں خموش　دیکھتا چلا گیا

(۳)

دور اور قریب چُپ　ہر طرف عجیب چُپ

خوشنما مہیب چُپ

کائنات پر سکوت　سارا خشک و تر سکوت

شور کا اثر سکوت

کچھ نہیں مگر سکوت　دیکھتا چلا گیا

(۴)

وہ کنارِ آب کی　محفلیں شراب کی

مستیاں شباب کی

خواہشیں ثواب کی　کاہشیں عذاب کی

وھم اور خواب کی

زندگی حباب کی دیکھتا چلا گیا

(۵)

حسنِ شانِ نازہیں عرق احترازمیں
عاشقی نیاز میں
اُس کی خود فروشیاں اور سخت کوشیاں
اس طرف خموشیاں
صبر گرم جوشیاں دیکھتا چلا گیا

(۶)

پاک باز نازنیں وقفِ آہِ آتشیں
مرگ و یاس در کمیں
اک جوان خودپرست بادۂ خودی سے مست
شوخ اور دراز دست
میں یہ سب بلندو پست دیکھتا چلا گیا

(۷)

رنجشیں، کدورتیں برہمی کی صورتیں

زیست کی ضرورتیں

سارى آشنائیاں ظاهرى صفائیاں

باطنی برائیاں

صلح اور صفائیاں دیکھتا چلا گیا

(۸)

دوست کے فراق میں جوش اشتیاق میں

پائے چست و چاق میں

دوشوں کو باندھ کر محوِ کلفتِ سفر

اک جوانِ بے جگر

دل بھر آیا، میں مگر دیکھتا چلا گیا

(۹)

بادشاہ کا مزار جس سے عبرت آشکار

بے کسی بھی سوگوار

اور گدا کی قبر پر جمع سینکڑوں بشر

ہیں یہ فقر کا اثر

دور مآلِ مال و زر دیکھتا چلا گیا

تولیدِ عصمت

(اپنی پہلی بیٹی ارشاد بتول (مرحومہ) کی ولادت کے وقت)

اے کہ ہے صبحِ ازل تیرے تبسم کی ضیا
تو کرن سورج کی ہے یا کوئی ٹکڑا نور کا

تیرے چہرے سے عیاں ہے صاف تنویرِ حیا
کلکِ قدرت نے بنایا تجھ کو تصویرِ حیا

اے گلِ خوشرنگ تو کس گلستاں کا پھول ہے
دل یہ کہتا ہے کہ باغِ کن فکاں کا پھول ہے

سوئے ہستی تو عدم سے آئی ہے منھ موڑ کر
آکے رشتہ ہم سے جوڑا سارے رشتے توڑ کر

صورتِ عفّت سراپا پیکرِ عصمت ہے تو
باپ ماں کے واسطے اک آیۂ رحمت ہے تو

ابھی تو میں جوان ہوں

(۱)

ہوا بھی خوشگوار ہے   گلوں پہ بھی نکھار ہے
ترنّم ھزار ہے   بہار پُر بہار ہے

کہاں چلا ہے ساقیا
اِدھر تو لوٹ اِدھر تو آ
ارے یہ دیکھتا ہے کیا؟
اُٹھا سبُو، سبُو اُٹھا

سبُو اُٹھا پیالہ بھر   پیالہ بھر کے دے اِدھر
چمن کی سمت کر نظر   سماں تو دیکھ بے خبر

وہ کالی کالی بدلیاں

اُفق پہ ہو گئیں عیاں

وہ اک ھجوم مے کشاں

ھے سوئے میکدہ رواں

یہ کیا گماں ہے بدگماں سمجھ نہ مجھ کو ناتواں

خیالِ زُھد ابھی کہاں

ابھی تو میں جوان ھوں

(۲)

عبادتوں کا ذکر ہے نجات کی بھی فکر ہے

جنون ہے ثواب کا خیال ہے عذاب کا

مگر سُنو تو شیخ جی

عجیب شے ہیں آپ بھی

بھلا شباب و عاشقی

الگ ھوئے بھی ہیں کبھی

حسین جلوہ ریز ہوں ادائیں فتنہ خیز ہوں

ہوائیں عطر بیز ہوں ‏ ‏ تو شوق کیوں نہ تیز ہوں

نگاہ ہائے فتنہ گر

کوئی اِدھر کوئی اُدھر

اُبھارتے ہوں عیش پر

تو کیا کرے کوئی بشر؟

چلو جی قصّہ مختصر ‏ ‏ تمہارا نقطۂ نظر

درست ہے تو ہو مگر

ابھی تو میں جوان ہوں

(۲۳)

یہ گشت کوہسار کی ‏ ‏ یہ سیر جوئبار کی

یہ بُلبلوں کے چہچہے ‏ ‏ یہ گل رُخوں کے قہقہے

کسی سے میل ہو گیا

تو رنج و فکر کھو گیا

کبھی جو بخت سو گیا

یہ ہنس گیا وہ رو گیا

یہ عشق کی کہانیاں یہ رس بھری جوانیاں
اُدھر سے مہربانیاں اِدھر سے لن ترانیاں

یہ آسمان، یہ زمیں
نظارہ ہائے دل نشیں
اِنہیں حیات آفریں
بھلا میں چھوڑ دوں یہیں؟

ہے موت اسقدر قریں مجھے نہ آئے گا یقیں

نہیں نہیں ابھی نہیں
ابھی تو میں جوان ہوں

———— (۴) ————

نہ غم کشود و بست کا بلند کا نہ پست کا
نہ بود کا نہ ھست کا نہ وعدۂ الست کا

امید اور یاس گُم
حواس گُم قیاس گُم
نظر سے آس پاس گُم
ہمہ سُخن گلاس [illegible] گُم

نہ مے میں کچھ کمی رہے قدح سے ہمدمی رہے
نشست یہ جمی رہے یہی ہما ہمی رہے

وہ راگ چھیڑ مطربا
طرب فزا الم ربا
اثر صدائے ساز کا
جگر میں آگ دے لگا

ہر ایک لب پہ ہو صدا نہ ہاتھ روک ساقیا
پلائے جا پلائے جا
ابھی تو میں جوان ہوں

بَرسَات

(ا)

آئی ہے برسات
چھائی ہے برسات
کوہ و دمن پر دشت و چمن پر
شہر اور بن پر
دوشیزۂ چمن بے ساختہ پن
رنگیں جوانی سبز اور دھانی
گلپوش جلوے مدہوش نغمے!
دلکش فضائیں
ٹھنڈی ہوائیں
اُودی گھٹائیں لائی ہے برسات
آئی ہے برسات چھائی ہے برسات

(۲)

گِھر گِھر کے آیا
ہِر پھر کے چھایا
تُند اور دُھواں دھار
تاریک و لبالب
اَبر گہُربار
بجلی چمکنا
آنکھیں جھپکنا!
توبہ یہ کڑکا
سینوں کا دھڑکا
بوندوں کی بھرمار
مینھ موسلا دھار
ہر سمت یک دم
جل تھل کا عالم
پُر لُطف موسم!
حق نے دِکھایا
گِھر گِھر کے آیا
ہِر پھر کے چھایا

(۳)

بیٹھے ہیں مے خوار
نشوں میں سرشار

گھر بار برباد   مے خانے آباد

بندش سے آزاد

جیبیں ہیں خالی   ہمت ہے عالی

پروا نہیں ہے   دھڑ کا نہیں ہے

قرض آج ساقی!   دیتا ہے خود ہی

دریا دلی سے   سو دل بری سے

اپنی خوشی سے

بے عذر و تکرار

بیٹھے ہیں مے خوار   نشوں میں سرشار

(۹)

آموں کے نیچے

ڈالے ہیں جھولے

مہ پیکروں نے   سیمیں تنوں نے

برق افگنوں نے

گیت ان کے پیارے   میٹھے رسیلے

ں صدائیں سادہ ادائیں
ں پیرھن ہیں غنچہ دہن ہیں
د مسکرانا خود منھ چڑانا
پھر جھینپ جانا
الھڑ پنے سے
ںوں کے نیچے ڈالے ہیں جھُولے

(۵)

اِٹھلا رہی ہیں
اِترا رہی ہیں
ر بان ہندی حُوران ارضی
شمعیں گھروں کی
زک دوپٹے رنگیں ہلکے؛
ریرہ سنبھالے شانوں پہ ڈالے
نہ لاکھ برسے جی لاکھ ترسے
ٹلیں نہ گھر سے شوہر کے ڈر سے

اپنی نظر سے
شرما رہی ہیں
اِٹھلا رہی ہیں اِترا رہی ہیں

(۶)

بے فکر آزاد
خوش باش دل شاد
نادان اَن جان کرتی ہیں سامان
پکتے ہیں پکوان
نوخیز کم سن ہم عمر ہم سن
ننھّے فرشتے اور ناطے رشتے
گڑیا کی شادی مل کر رچادی
ڈھولک بجانا
مل مل کے گانا
سب کچھ بھلانا ماں بھی نہیں یاد
بے فکر آزاد خوش باش دل شاد

گُلشن کی دُنیا
ہے مست گویا
جوشِ نمو سے رنگ اور بُو سے
خوش ہے سَرَّاہ سے
کوئل کی آواز مستی کی غمّاز
ہر برگ مے نوش ہر شاخ مدھوش
پھولوں کی بَستی ہے غرق مستی
مے کش پپیہے
ہیں مست پی کے
بُلبُل کے نغمے! مستی سراپا
گلشن کی دنیا ہے مست گویا

(۸)

زاہد کی گھاتیں
بے کیف، باتیں

عقبیٰ کے جھگڑے
جنّت کے قصے
پینے کے طعنے

یہ بھی رہا خوب واللہ کیا خوب
رند اور ہٹ جائیں ہم اور پلٹ جائیں
مے خانہ چھوڑیں شیشوں کو توڑیں
دل پر کریں جبر عشاق اور صبر
یہ رُت ہو یہ اَبر
یہ دن یہ راتیں
زاہد کی گھاتیں بے کیف باتیں!

تاروں بھری رات

(۱)

بحر اور بر میں — خشک اور تر میں
بیٹھی ہے چُپ چاپ — ہر رہگذر میں
نیندوں کے ماتے — سوتے ہیں گھر میں
خوابوں کے طائر — دام نظر میں

رُخ پوشیوں کا
مدھوشیوں کا
خاموشیوں کا
سودا ہے سر میں

یہ کون دیکھے یہ کون جانے
یہ کون سمجھے یہ کون مانے

تاروں بھری رات
نیلم پری رات

جلووں سے معمور نزدیک اور دور
آتی ہے کیونکر چھاتی ہے کیونکر

افسوں پڑھ کر
شاعر کے دل پر
کرتی ہے اکثر

جادوگری رات تاروں بھری رات

(۲)

دنیائے انساں شہرِ خموشاں
دیکھے تو کوئی رنگِ گلستاں
ہنستے ہیں غنچے کھِلتی ہیں کلیاں
ہر شاخ مسرور ہر پھول خنداں

سبزے میں ساری

پتّوں پہ طاری

اِک روح جاری

اِک کیف لرزاں

ہر برگ گُل میں موتی جڑے ہیں

موتی ہی موتی بکھرے پڑے ہیں

گویا دُلہن ہے

گلشن کی ہر شے

گھونگٹ نکالے چہرے پہ ڈالے

نازک آنچل باریک آنچل

دُھندلی ضیا میں

سب کی رِدا میں

اپنی حیا میں

چُپ ہے مگن ہے گویا دُلہن ہے

---

(۳)

رکھوالا لڑکا کھیتوں کا دولہا
بنسی بجا کر گانے کا رسیا!
مینڈوں کے اوپر پھرتا ہے تنہا!
ہاتھوں میں بنسی پیروں سے ننگا
البیلے پن میں
اچھلی پھبن میں
گوکل کے بن میں
جیسے کنہیا!
بنسی کی لَے میں گُم ہیں فضائیں
پھرتی ہیں مدہوش ہر سو ہوائیں
جادو ہے کیا ہے
یا معجزہ ہے
کوہ و بیاباں کھیت اور میدان
باہوش بے ہوش سب خود فراموش

کیوں آدمی بار

تیرا یہ انداز

یہ سوز یہ ساز

تجھ کو پتا ھے؟

جادو ہے کیا ھے؟

(۲۲)

دل کش نظارے

شب زار سارے

ندی کی تہ میں رقصاں ہیں تارے

گاتی ہیں لہریں گیت ایسے پیارے

چپ چپ دم بخود ہیں دونوں کنارے

ہر سمت سبزا!

سرمست صہبا

لیٹا ھے کیسا

پاؤں پسارے

ہے سر سراہٹ خاموشیوں میں
یعنی ہوا ہے سرگوشیوں میں
خاموش پانی
محوِ روانی
چلتا مچلتا پہلو بدلتا
بہتا بہاتا کچھ گنگناتا
بل ہے جبیں پر
تاروں کا دفتر
سینے کے اندر
چاتر گیانی! خاموش پانی!

(۵)

دامانِ کہسار اک خامشی زار
چیل اور دیودار دیو ہیں کہ اشجار
توبہ! درندے بے رحم خونخوار
لیکن یہاں بھی سب سے طرحدار

پانی کی رو میں
ہر برگِ نو میں
شبنم کی ضو میں
تارے نمودار

یہ سرزمیں ہے آزاد دُنیا!
ہے تو یہیں ہے آباد دُنیا!

اے شانِ قدرت
یہ خوانِ قدرت

ہر ایک وادی گلزار زادی
اس وقت ہر جھیل ضو ریز قندیل

یہ رات کیا ہے
شانِ خدا ہے
بکھرا پڑا ہے

سامانِ قدرت اے شانِ قدرت

کرشن کنہیّا

(۱)

اے دیکھنے والو
اس حسن کو دیکھو
اس راز کو سمجھو
یہ نقشِ خیالی یہ فکرت عالی
یہ پیکرِ تنویر یہ کرشن کی تصویر
معنیٰ ہے کہ صورت صنعت ہے کہ فطرت
ظاہر ہے کہ مستوُر
نزدیک ہے کہ دُور
یہ نار ہے یا نوُر

(۲)

دنیا سے نرالا
یہ بانسری والا
گوکل کا گوالا

ہے سحر کہ اعجاز کُھلتا ہی نہیں راز
کیا شان ہے واللہ کیا آن ہے واللہ
حیراں ہوں یہ کیا ہے اک شان خدا ہے

بت خانے کے اندر
خود حسن کا بُت گر
بُت بن گیا آکر

(۳)

وہ طرفہ نظارے
یاد آگئے سارے
جمنا کے کنارے

سبزے کا لہکنا پھولوں کا مہکنا

گھنگھور گھٹائیں سرمست ہوائیں
معصوم اُمنگیں الفت کی ترنگیں

وہ گوپیوں کے ساتھ
ہاتھوں میں دئیے ہاتھ
رقصاں ہوا برجناتھ

(۴)

بنسی میں جو لَے ہے
نشّہ ہے نہ مَے ہے
کچھ اور ہی شے ہے

اک روح ہے رقصاں اک کیف ہے لرزاں
اک عقل ہے مَے نوش اک ہوش ہے مدہوش
اک خندہ ہے سیّال اک گریہ ہے خوشحال

اک عشق ہے مغرور
اک حسن ہے مجبور
اک سحر ہے مسحور

(۵)

دربار میں تنہا
لاچار ہے کرشنا
آ شیام اِدھر آ

سب اہل خصومت ہیں درپئے عزت
ہ راج دُلارے بزدل ہوئے سارے
روا نہ ہو تاراج بیکس کی رہے لاج

آجا میرے کالے
بھارت کے اُجالے
دامن میں چھپا لے

(۶)

وہ ہوگئی اَن بَن
وہ گرم ہوُا رَن
مغموم ہے ارجن
وہ آ گئے جگدیش وہ مِٹ گئی تشویش

اُپدیش سُنایا   سب وہم بھُلایا
غم زاد کا غم کیا   اُستاد کا غم کیا

لو ہو گئی تدبیر
لو بن گئی تقدیر
لو چل گئی شمشیر

(۷)

سیرت ہے عدو سوز
صورت نظر افروز
دل کیفیت اندوز

غصّے میں جو آجائے   بجلی ہی گرا جائے
اور لطف پر آجائے   تو گھر بھی لُٹا جائے

پریوں میں ہے گلفام   رادھا کے لئے شیام
بلرام کا بھیّا
متھرا کا بسیّا
بندرا میں کنہیّا

(۸)

بَن ہو گئے ویراں
برباد گلستاں
سکھیاں ہیں پریشاں
ریا کا کنارا سنسان ھے سارا
فاں ہیں خاموش موجوں میں نہیں جوش
تجھ سے لگی ھے حسرت ھی یہی ہے
اے ھند کے راجا
اک بار پھر آجا
دُکھ درد مٹا جا

(۹)

ابر اور ھوا سے
بُلبُل کی صدا سے
پھولوں کی ضیا سے
جادو اثری گم! شوریدہ سری گم!

ہاں تیری جدائی　　فطرت کو نہ بھائی

تو آئے تو شان آئے　　تو آئے تو جان آئے

آنا نہ اکیلے

ہوں ساتھ وہ میلے

سکھیوں کے جھمیلے

طوفانی کشتی

دریا چڑھاؤ پر ہے اور بوجھ ناؤ پر ہے

پہنا ہے آب سارا

ہے کوچ کا اشارا

ہوش آزما نظارا

موجوں کے منہ میں کف ہے اک شور ہر طرف ہے

مرگ آفریں ہے دھارا

اور دور ہے کنارا

کوئی نہیں سہارا

تیغ آزما ہیں لہریں تیغیں ہیں یا ہیں لہریں

توبہ: ہوا کی تیزی

موج فنا کی تیزی
ہے کس بلا کی تیزی
تدبیرِ ناخدا کیا چپّو کا آسرا کیا
گرداب پڑ رہے ہیں
کشتی سے لڑ رہے ہیں
تختے اُکھڑ رہے ہیں

نغموں کا جوش خاموش سب ناؤ نوش خاموش
ہے یہ برات کس کی
نوشاہ اور براتی
روتے ہیں لے کے ڈولی
مایوس ہیں نگاہیں رقصاں لبوں پہ آہیں
ڈولی میں حور پیکر
کیا کانپتی ہے تھر تھر
لیکن ہے مُہر لب پر

دولھا کے سر پر سہرا لیکن اُداس چہرہ

عشرت کی آرزو تھی

اُلفت کی جستجو تھی

امید رو برو تھی

یہ انقلاب کیا ہے آغوش مرگ وا ہے

افسوس یا الٰہی

کیا آ گئی تباہی

قسمت کی کم نگاہی

دل سرد ہو رہے ہیں رخ زرد ہو رہے ہیں

اس محشرِ بلا میں

اس لحظۂ فنا میں

اس سیلِ بادپا میں

سب اہلِ یاس گم ہیں ہوش و حواس گم ہیں

کچھ محو ہیں دُعا میں

کچھ نالۂ و بکا میں
کچھ شکوۂ خدا میں

بیٹھی ہے ایک بیوہ ہے صبر جس کا شیوہ
دل ہاتھ سے دبائے
بچہ گلے لگائے
تیر امید کھائے

یہ باپ کی نشانی سرمایۂ جوانی
اک دن جوان ہوگا
اماں کا مان ہوگا
حق مہربان ہوگا

اک نوجواں بداختر بھاگا ہے گھر سے لڑ کر
چھوڑے تھے باپ ماں بھی
بیوی بھی اور مکاں بھی
اب چھوڑتا ہے جاں بھی

اے کاش یں نہ آتا   اے کاش لوٹ جاتا

اے طبع خود سر افسوس

اے طیش تجھ پر افسوس

افسوس یکسر افسوس

یہ دیو زاد موجیں   یہ نو نہاد موجیں

آیا پھر ایک ریلا

کشتی بنی ہے تنکا

بس ہو چلا صفایا

تدبیر رو رہی ہے   تقدیر سو رہی ہے

ملاح تیز نکلے

دریا میں پیڑ نکلے

افسوس غیر نکلے

طوفان غم بپا ہے   فریاد کی صدا ہے

ہے کون جو سنبھالے

کشتی ترے حوالے
یارب توھی بچالے
اے نوحؑ کے کھویّا لگ جائے پار نیّا
بندوں کا تُو خُدا ہے
اور تُوھی ناخُدا ہے
تیرا ھی آسرا ہے

بسنتی ترانہ

لو پھر بسنت آئی پھولوں پہ رنگ لائی

چلو بے درنگ

لبِ آب گنگ

بجے جلترنگ

من پر اُمنگ چھائی پھولوں پہ رنگ لائی

لو پھر بسنت آئی

آفت گئی خزاں کی   قسمت پھری جہاں کی

چلے مے گسار

سوئے لالہ زار

مئے پردہ دار

شیشے کے در سے جھانکی   قسمت پھری جہاں کی

آفت گئی خزاں کی

کھیتوں کا ہر چرندہ   باغوں کا ہر پرندہ

کوئی گرم خیز

کوئی نغمہ ریز

سبک اور تیز

پھر ہو گیا ہے زندہ   باغوں کا ہر پرندہ

کھیتوں کا ہر چرندہ

ہر شاخ میں شگوفے   انداز نو سے پھوٹے

ہوا بخت سبز

ملا رخت سبز

ہیں درخت سبز

بن بن کے سبز نکلے انداز نو سے پھوٹے

ہر شاخ میں شگوفے

پھولی ہوئی ہے سرسوں پھولی ہوئی ہے سرسوں

نہیں کچھ بھی یاد

یوں ہی با مراد

یوں ہی شاد شاد

گویا رہے گی برسوں پھولی ہوئی ہے سرسوں

پھولی ہوئی ہے سرسوں

لڑکوں کی پتنگ دیکھو ڈور اور پتنگ دیکھو

کوئی مار کھائے

کوئی کھل کھلائے

کوئی مُنہہ چڑائے

طفلی کے رنگ دیکھو ڈور اور پتنگ دیکھو

لڑکوں کی جنگ دیکھو

ہے عشق بھی جنوں بھی مستی بھی جوشِ خوں بھی

کہیں دل میں درد

کہیں آہِ سرد

کہیں رنگِ زرد

ہے یوں بھی اور یوں بھی مستی بھی جوش جنوں بھی

ہے عشق بھی جنوں بھی

اک نازنیں نے پہنے پھولوں کے زرد گہنے

ہے مگر اُداس

نہیں پی کے پاس

غم و رنج و یاس

فرقتِ یار

(ایک خالص پنجابی دھن میں)

جی نڈھال ہو فرقتِ یار میں

جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں

جی نڈھال ہے اے میرے دوستو　مجھے لے چلو ہاں مجھے لے چلو

یا نشاط میں یا شالامار میں

جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں

عندلیب کے نغمے فضول سے
رنگِ زخم عیاں پھول پھول سے
ہیں خزاں کے طریق بہار میں
جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں

~~~~~~~~~~

میرے بخت کی یہ نامرادیاں
دامن شکست اداس ہیں وادیاں
چھائی غم کی گھٹا کوہسار میں
جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں

~~~~~~~~~~

چشمہ صورتِ چشم پُرآب کیوں
ندی ماہی مثال بیتاب کیوں
کیوں قرار نہیں آبشار میں
جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں

~~~~~~~~~~

ساحل آئینہ دار خموش ہے
اور موج کو حیرت کا جوش ہے
کیفِ نغمہ نہیں جوئے بار میں
جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں
~~~~~~~~~~

تو پاس میرے کوئی آ و نا مجھے چھیڑو نا مجھکو ستاؤ نا

بیں ہوں آج کسی انتظار میں

جی نڈھال ہے فرقت یار میں

تو جانتا ہوں کہ وہ آئینگے مرے دوست ضرور انہیں لائینگے

لیکن صبر نہیں دلِ زار میں

جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں

جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں جی نڈھال ہے فرقت یار میں

زندگی

جز لبِ بستہ نہیں تابِ بیانِ زندگی
ہے فسانہ تمہید شرحِ داستانِ زندگی

جستجو سے یہ مِلا آخر نشانِ زندگی
چند قبریں نقشِ پائے رہروانِ زندگی

اے مصوّر ایک تصویر اس طرح کی کھینچ دے
بارِ دوشِ بے کسی کوہِ گرانِ زندگی

ہیں خیالی صورتیں ہنگامہ آرائے وجود
محشرستانِ توہّم ہے جہانِ زندگی

ہے مثالِ دود اپنا عالمِ بود و نبود
یعنی شاخِ شعلہ پر ہے آشیانِ زندگی

ب گلشن ہے بجائے آب خونِ آرزو
یہ بہار زندگی ہے یا خزانِ زندگی

رگی مُردار اور اس زندگی کے واسطے
کشمکش میں ہیں سگانِ اُستخوانِ زندگی

رو پھر آرزو کے بعد خونِ آرزو
ایک مصرعے میں ہے ساری داستانِ زندگی

ۂ گندم کے بدلے آدمی کو بیس ڈال
او زمینِ زندگی او آسمانِ زندگی

ر سبق کچھ اور ہے بعد نصابِ زندگی
ہے فقط دیباچۂ عبرت کتابِ زندگی

عدم والوں کی خاموشی نے ثابت کر دیا
تھا عذابِ قبر سے بدتر عذابِ زندگی

طربانِ عیش نے تو رنگ بدلے نو بنو
ایک ہی دُھن پر رہا تارِ ربابِ زندگی

ہے طلوعِ صبحِ پیری تک فقط اس کی نمود

قطرۂ شبنم ہے گویا آفتابِ زندگی

ہے تری بنیاد ہی میں اختلافِ باد و آب

کس بھروسے پر اُبھرتا ہے حُبابِ زندگی

محو رویائے غم و شادی ہیں دو خوابیدہ ہوش

کامیابِ زندگی ناکامیابِ زندگی

حرفِ باطل ہی لکھا دیکھا اس اندیشے کے بعد

یعنی خوابِ زندگی تعبیرِ خوابِ زندگی

جستجو اک بوالفضولی ہے سکندر گھر میں بیٹھ

خضر کی مانند ہے ناپید آبِ زندگی

آزاد وادی

شہر سے دور شہریار سے دور
ساری دنیائے آشکار سے دور
گرمیِٔ عیش بے ثبات سے دور
سرخیِٔ خونِ بے حیات سے دور
دور شیطاں کی شاہراہ سے دور
دور انسان کی نگاہ سے دور
ایک وادی ہے کوہساروں میں حسن کے فطرتی نظاروں میں
شانِ حق آشکار چار طرف
اک خودرو بہار چار طرف

چیل اور دیودار چار طرف
قدرتی لالہ زار چار طرف
نعرہ زن آبشار چار طرف
ندیاں بے شمار چار طرف
پھوٹتے ہیں ہزارہا چشمے   سرد شفاف خوشنما چشمے
پٹ رہی ہے زمین پھولوں سے
بن گئی نازنین پھولوں سے
سرخ پھولوں سے زرد پھولوں سے
اور کہیں لاجورد پھولوں سے
بیلیں کیا تن رہی ہیں پھولوں سے
دلہنیں بن رہی ہیں پھولوں سے
ڈالیاں ہیں تمام پھول ہی پھول   نہیں کانٹے کا نام پھول ہی پھول
ہیں زمین اور آسمان آزاد
تیر آزاد ہے کمان آزاد
ہیں وحوش و طیور سب آزاد

آتش و خاک و نور سب آزاد

آب آزاد ہے ہوا آزاد

بندے آزاد ہیں خدا آزاد

بلبل آزاد اور گُل آزاد یعنی فطرت کا جزو کل آزاد

اس طرف کوہ کی نچان کے پاس

ہے مرا جھونپڑا چنان کے پاس

سرودِ مستاں

پیئے جا

شراب خانہ ہے بزم ہستی
ہر ایک ہے محو عیش و مستی
مآلِ بینی و مے پرستی
ارے یہ ذلت! ارے یہ پستی
شعارِ رندانہ کر پیئے جا

اگر کوئی تجھ کو ٹوکتا ہے
شراب پینے سے روکتا ہے
سمجھ اُسے ہوش میں نہیں ہے
خرد کے آغوش میں نہیں ہے
تو اس سے جھگڑا نہ کر پیئے جا

خیالِ روزِ حساب کیسا
ثواب کیسا عذاب کیسا
بہشت و دوزخ کے یہ فسانے
خدا کی باتیں خدا ہی جانے
فضول سوچا نہ کر پیئے جا

نہیں جہاں میں مدام رہنا
تو کس لئے تشنہ کام رہنا

اُٹھا اُٹھا۔ ہاں اُٹھا سُبُو کو　　تمام دنیا کی ہاؤ ہُو کو

غریقِ پیمانہ کر پیئے جا

کسی سے تکرار کیا ضرورت　　فضول اصرار کیا ضرورت

کوئی پیئے تو اُسے پلا دے　　اگر نہ مانے تو مسکرا دے

ملال اصلا نہ کر پیئے جا

تجھے سمجھتے ہیں اہلِ دنیا　　خراب، خستہ، ذلیل، رسوا

نہیں عیاں ان پہ حال تیرا　　کوئی نہیں ہم خیال تیرا

کسی کی پروا نہ کر پیئے جا

ہلالِ عید

...تی رہو ۔ مگر مجھے آتا نہیں نظر
بیٹی ! کہاں ہے چاند؟ مجھے بھی بتا کدھر
...وس اب نگاہ بھی کمزور ہو گئی
نعمت خدا نے دی تھی بڑھاپے میں کھو گئی
...ارِ خانقاہ کے اوپر کہاں کہاں؟
کچھ بھی نہیں۔ کوئی بھی نہیں ہے وہاں کہاں
...ڈالیوں کے بیچ میں ہوگا وہیں کہیں
وہ ہے جہاں پر ابر کی سُرخی کہیں کہیں
...چکی ہے عمر بھی نواور ساٹھ سال
گذرے ترے خُسر کو بھی گزرے ہیں آٹھ سال
...شی کے اور وہ ترانے گزر گئے
وہ دن گزر گئے وہ زمانے گزر گئے

یتری طرح سے میں بھی کبھی ہاں جوان تھی
وہ دن بھلے تھے اور بھلی ان کی شان تھی

ہر اک سے پہلے دیکھتی تھی میں نے ہلالِ عید
دس بیس دن سے رہتا تھا ہر دم خیالِ عید

یہ ان دنوں کی بات ہے وہ بات اب کہاں
وہ صبح و شام اور وہ دن رات اب کہاں

اب دن تمہارے وقت تمہارا تمہاری عید
بیٹی تمہاری عید سے ہے اب ہماری عید

ہے لاکھ شکر خدائے کریم کا
کرتی ہوں روز ورد کلامِ حکیم کا

عینک بغیر معنی و تفسیر پر مگر
افسوس ھے کہ میری ٹھہرتی نہیں نظر

صدقے کہاں ہے چاند؟ مجھے بھی ذرا دکھا
میں بھی تو چاند دیکھ لوں عینک اٹھا ذرا

ہاں ہاں ٹھہرو وہ تارا سا بیشک وہی تو ہے
مجھکو نظر نہ آیا تھا اب تک وہی

صد شکر چاند دیکھ لیا آؤ دعا کریں
اور چل کے پھر فریضۂ مغرب ادا کریں

یا رب تیرے حضور میں حاضر کھڑی ہوں میں
عاصی گناہ گار تو بے شک بڑی ہوں میں

لیکن مرے گناہ و خطا پر نگہ نہ کر
یا رب تو اپنی شان کریمی پہ رکھ نظر

اللہ میرے چاند کی نورِ نظر کی خیر
میرے کماؤ میرے مسافر پسر کی خیر

اللہ مجھ کو گھر کا اُجالا نصیب ہو
بیٹا بہو کو اور مجھے پوتا نصیب ہو

بے کس کے عجز کو ملے رتبہ قبول کا!
سُن لے مری دعاؤں کو صدقہ رسول کا

غزل

دعوائے بے کمالی

دور سے آنکھیں دکھاتی ہے نئی دنیا مجھے
گلشنِ ہستی نظر آتا ہے اک صحرا مجھے

عقل کی وادی میں ہوں گم کردۂ مقصودِ عشق
ڈھونڈھتا ہوں اور نہیں ملتا کوئی رستہ مجھے

یہ بھی اک دھوکا تھا نیرنگِ طلسم عقل کا
اپنی ہستی پر بھی ہستی کا ہوا دھوکا مجھے

ضبط میرا طالبِ دیدار ہو جاتا اگر
دیکھنا موسےٰ مجھے! سینا مجھے! جلوا مجھے

شاعری کیا کفشِ برادرِ گرامی ہوں حفیظؔ
بے کمالی کے سوا کوئی نہیں دعویٰ مجھے

بہار میں

مستوں پہ اُنگلیاں نہ اٹھاؤ بہار میں
دیکھو تو ہوش ہے بھی کسی ہوشیار میں

کچھ محتسب کا خوف ہے کچھ شیخ کا لحاظ
پیتا ہوں چھُپ کے دامن ابر بہار میں

وہ سامنے دھری ہے صراحی بھری ہوئی
دونوں جہاں ہیں آج مرے اختیار میں

اب خاک اُڑائیے نہ ہمارے مزار کی
اب خاک بھی نہیں ہے ہمارے مزار میں

اب وہ سکونِ یاس نہ وہ اضطرابِ شوق
سینے میں دل ہے یا کوئی لاشہ مزار میں

جھوٹی تسلیوں سے نہ بہلاؤ جاؤ جاؤ
جاؤ کہ تم نہیں ہو میرے اختیار میں

ہوں وادیٔ حیات میں اس طرح سست گام
جیسے ہو پا شکستہ کوئی خار زار میں

تنہائیٔ فراق میں امید بارہا
گم ہو گئی سکوت کے ہنگامہ زار میں

اللہ بات کیا ہے کہ دیوانگی مری
دیوانگی نہیں نظرِ ہوشیار میں

وہ عندلیب گلشنِ معنیٰ ہوں میں حفیظ
سوزِ سخن سے آگ دوں بہار میں

پی میرے لئے

عشق سودا عقل ہے اک ابلہی میرے لئے
کس قدر پر لطف شے ہے زندگی میرے لئے

ہے تپاک ظاہری اک دل لگی میرے لئے
یعنی بے معنیٰ ہے لفظِ دوستی میرے لئے

رونے والوں نے مسیحا کو کیا جھک کر سلام
لائے تھے حضرت نوید زندگی میرے لئے

آرزوئے جلوہ ہائے حسنِ رنگا رنگ نے
باندھ رکھا ہے طلسمِ زندگی میرے لئے

ہائے دشمن کے لئے تجھ کو بظاہر دشمنی
او وفا دشمن فریب دوستی میرے لئے

توبہ توبہ شیخ جی! توبہ کا پھر کس کو خیال
جب وہ خود کہہ دے کہ پی تھوڑی سی پی میرے لئے

دستِ تقدیر اور نقشِ مدّعا باندھے غلط!
بُت شکن کرنے لگے کیوں بُت گری میرے لئے

کس قدر نا آشنا نکلے مآلِ عشق سے
کر گئے جو وضعِ رسمِ عاشقی میرے لئے

سراب

ہستیٔ گل کی حقیقت بس یہی اک دو ورق
ہستیٔ بلبل کی حالت بس یہی دو چار پر

اس نفس کی استواری کا شکستن پر مدار
تار و پودِ زندگی ہے جس نفس کے تار پر

فریبِ نظر

میں کیا ہوں - اس خیال سے لگتا ہے ڈر مجھے
کیوں دیکھتے ہیں غور سے اہلِ نظر مجھے

لے جاؤ ساتھ ہوش کو اے اہلِ ہوش جاؤ
ہے خوب اپنی بے خبری کی خبر مجھے

ہے خواب مرگ زندگیٔ تازہ کی دلیل
یہ شام دے رہی ہے نوید سحر مجھے

بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا ہوں میں
دینے لگے پھر آپ فریبِ نظر مجھے

لو وہ تو آ کے بیٹھ گئے میرے سامنے
اُٹھنا پڑے نہ بزم سے دل تھام کر مجھے

گم ہو گیا ہوں بے خودیٔ ذوقِ عشق میں
اے عقل جا کے لا تو ذرا ڈھونڈ کر مجھے

ہوتا ہے کون موت پہ عاشق مرے سوا؟
سُوجھا نہ یہ فریب کسی کو مگر مجھے

"اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی
پھر یہ نہیں تو کھا گئی کس کی نظر مجھے

حیرت

پھر خاک اُڑاتے ہوئے پھرتے ہیں بگولے
پھر دشت میں مٹی ہوئی برباد کسی کی
پھر بابِ اثر کا کہیں رستہ نہیں ملتا
پھر بھٹکی ہوئی پھرتی ہے فریاد کسی کی

انجامِ ہنگامہ آرائی

موت کے چہرے پہ کیوں ہے مردنی چھائی ہوئی
دیکھنا کون آ گیا کیوں ٹل گئی آئی ہوئی؟

پھر کوئی بادل نہ اٹھا ہو اُفق پر دیکھنا
پھر فضائے توبہ پر ہے بے دلی چھائی ہوئی

چھوڑ بھی یہ سلسلہ او نامرادِ انتظار
موت بیٹھی ہے تری بالیں پہ اُکتائی ہوئی

اللہ اللہ کیا ہوا انجامِ کارِ آرزو
توبہ توبہ کس قدر ہنگامہ آرائی ہوئی

اب بنا بیٹھا ہے کیسا بے نیاز دو جہاں
عشق! جس کے دم سے یہ سب عالم آرائی ہوئی

سیکھ دنیا ہی میں زاہد حور سے ملنے کے ڈھنگ
ورنہ روئے گا کہ جنّت میں بھی رسوائی ہوئی

یاس کی بستی میں اک چھوٹی سی اُمیدِ وصال
اجنبی کیطرح سے پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

یہ ہے میرا حاصلِ گلچینئ باغ جمال
آرزو کی چند کلیاں وہ بھی مرجھائی ہوئی

ہو گیا جب عشق ہم آغوش طوفان شباب
عقل بیٹھی رہ گئی ساحل پہ شرمائی ہوئی

خانۂ دل میں کسی پردہ نشیں کی آرزو
آرزو کیا ہے دُلہن بیٹھی ہے شرمائی ہوئی

عشق ہے اپنی وفاؤں سے بھی شرمایا ہوا
عقل ہے اپنی خطاؤں پر بھی اِترائی ہوئی

بھولا ہُوا افسانہ

کس شان سے رہتا ہے اللہ کا دیوانہ
انداز ہیں شاہانہ - سامان گدایانہ
آمادۂ کج بحثی - عاشق بھی ہے ناصح بھی!
اک عشق کا سودائی اک عقل کا دیوانہ
توحید پہ ناز ایسا دل محو ایاز ایسا
توڑا نہ گیا تجھ سے محمود یہ بُتخانہ
زندان کی دیواریں - ہیں مانع آزادی
ہاں سرِ شوریدہ! ہاں ہمّتِ مردانہ
ایمان شکن آنکھیں دل لیتی ہیں دل آنکھوں میں
بُت خانے میں کعبہ ہے - کعبہ میں ہے بتخانہ

جذبات بھڑکتے ہیں جلووں کی نمائش سے
ہے شمع سے وابستہ - سوزِ دل پروانہ
اب میری خطاؤں پر کہہ دیتے ہیں وہ ہنسکر
سودائی ہے سودائی - دیوانہ ہے دیوانہ
محشر کا تماشا ہے اک نقل جوانی کی
گزرا ہوا ہنگامہ - بھُولا ہوا افسانہ
بنتے تھے حفیظ ایسے ہم جان گئے انکو
یہ طرز غزل خوانی - یہ شیوۂ رندانہ

مدتوں تک جو پڑھایا کیا استاد مجھے
عشق میں بھول گیا کچھ نہ رہا یاد مجھے

فریبِ خیال ہے

آنکھوں میں دل ہے دل میں اُمیدِ وصال ہے
تم دیکھتے نہیں مری صورت سوال ہے

مے کش چلا ہے شاہدِ رحمت کو ڈھونڈنے
مخمورِ بادۂ عرقِ انفعال ہے

عبرت فضا ہے گورِ غریباں کی بے کسی
مری نظر کے سامنے میرا مآل ہے

مجھ کو زوال کی بھی ترقی نہیں پسند
سنتا ہوں آسمانِ عدو ئے کمال ہے

ناکامیاں پیامِ برِ مرگ ہی نہ ہوں
کیوں اے امیدِ زیست ترا کیا خیال ہے

ہے کِس قدر غرور شکن راہِ زندگی!
جس سر کو دیکھتا ہوں وہی پائمال ہے
گلزارِ آرزو میں ہیں رنگینیاں بہت
کچھ بھی نہیں حفیظ فریبِ خیال ہیں

انتظامات

وہ ہم نہیں کہ مریں عمرِ جاوداں کے لئے
دعائیں مانگتے ہیں مرگِ ناگہاں کے لئے
فلک کو ہجر کی شب بادلوں نے ڈھانپا ہے
یہ انتظام ہوئے ہیں مری فغاں کے لئے
گناہگار سہی۔ پھر بھی داورِ محشر
سمجھ کے حکم ملے بندۂ بتاں کے لئے

آوازِ مزار

آ ہی گیا وہ مجھ کو لحد میں اُتارنے
غفلت ذرا نہ کی مرے غفلت شعار نے

مُردہ دلوں کو حشر بھی آیا پکارنے
آواز دی نہ ایک بھی سنگ مزار نے

اب تک اسیر دام فریب حیات ہوں
مجھ کو بھلا دیا مرے پروردگار نے

بے بال و پر بھی مائل پرواز تھے یہاں
رُخ ہی ادھر کیا نہ ہوائے بہار نے

او بے نصیب دن کے تصوّر سے خوش نہ ہو
چولا بدل لیا ہے شب انتظار نے

برسوں فریب عشق دیا اک حسین کو
اس دل نے ہاں اسی دل ناکردہ کار نے

سب کیفیت بہشت کی رندوں پہ کھول دی
کوثر کے ایک ساغرِ ناخوشگوار نے

اغیار سے بھی کرنے لگے وعدہ ہائے حشر
عادت بگاڑ دی ہے مرے اعتبار نے

نازک مزاج پھول کا منھ سرخ ہو گیا
چُٹکی سی ایک لی تھی نسیم بہار نے

نوحہ گروں کو بھی ہے گِلا بیٹھنے کی فکر
جاتا ہوں آپ اپنی اجل کو پُکارنے

دیکھا نہ کاربارِ محبت کبھی حفیظ
فرصت کا وقت ہی نہ دیا کاروبار نے

غالب رہی حفیظ حقیقت مجاز پر
کعبے سے مجھکو کھینچ لیا کوئے یار نے

کس آستانے کیلئے؟

یہ تغافل میری الفت آزمانے کے لئے
آزمانے کے لئے ہے یا ستانے کے لئے

حسرتِ ناکام بس۔ اے آرزوئے دید بس
موت کو فقرہ نہ مل جائے بہانے کے لئے

آنسوؤں کا ایک خرمن ضبط کے دامن میں ہے
آنکھ ہے محتاج لیکن دانے دانے کے لئے

مدّتوں سے جانتا ہوں دل میں ذوقِ سجدہ ہے
یہ نہیں معلوم ہے کس آستانے کے لئے

نعمتِ غم میں بھی ہے ایسا تأمّل اے خدا
رہنے دے رکھ چھوڑ اسے اپنے خزانے کے لئے

منزلیں ملکِ عدم کی صرف نسیاں ہو گئیں
موت ہی آئے گی اب رستہ دکھانے کے لئے

اُن کا وعدہ اور مجھے اُس پر یقیں اے ہمنشیں
اک بہانہ ہے تڑپنے تلملانے کے لئے

اللہ اللہ اُن کو میرے قتل پر یہ ناز ہے
سوئے دشمن دیکھتے ہیں داد پانے کے لئے

نسخۂ ہستی میں عبرت کے سوا کیا تھا حفیظ
سرخیاں کچھ مل گئیں اپنے فسانے کے لئے

مجسّم داستان

کہا سب حال خاموشی نگاہوں نے زباں ہو کر
میری آنکھوں سے حسرت پھوٹ نکلی داستاں ہو کر

خدا حافظ کسی کے رازِ اُلفت کا خدا حافظ
کہ اب تو بات بھی منہ سے نکلتی ہے فغاں ہو کر

پیا آبِ بقا اے خضر۔ اب تاثیر بھی دیکھو
قیامت تک رہو پابندِ عمرِ جاوداں ہو کر

کسی کی تفرقہ پردازیوں پر شور واویلا
اٹھا ہے دیر سے ناقوس، مسجد سے اذاں ہو کر

غضب تھا وہ مریضِ غم کی حالت کا بدل جانا

وہ رو دینا کسی نا مہرباں کا مہرباں ہو کر

کتابِ دہر میں اک باب عبرت ہے مری ہستی

مجھے دیکھو کہ بیٹھا ہوں مجسم داستاں ہو کر

سُنا ہے اس طرف سے بھی جنابِ عشق گزریں گے

مری ہستی نہ اڑ جائے غبارِ کارواں ہو کر

قیامت ہیں جنوں انگیزیاں ابنائے عالم کی

اُڑے گا دامنِ دنیا کسی دن دھجیاں ہو کر

حفیظ اس سینہ کاوی سے تمہیں حاصل یہی ہو گا

کہ حاصل کچھ نہ ہو گا شاعرِ رنگیں بیاں ہو کر

رہنما کو دیکھ کر

محو عبرت ہوں مآلِ نقشِ پا کو دیکھ کر
اپنا آئینہ ہوں تصویر فنا کو دیکھ کر

وقت پیدائش ہمارے گریہ کا باعث نہ پوچھ
ابتدا ہی سے چلے ہیں انتہا کو دیکھ کر

رفتہ رفتہ ہوی جاتے ہیں ہم طرز آشنا
آشنا طرزِ سلوک آشنا کو دیکھ کر

انتہائے گمرہی یہ ہے کہ ہنستے ہیں ہم
رہنما مجھ کو اُدھر میں رہنما کو دیکھ کر

کیا گراں خاطر ہے رنج انکشاف راز دوست

سینہ پھٹ جاتا ہے غنچہ کا صبا کو دیکھ کر

منزلِ مقصود ہستی پر نظر پڑنے .. لگی !

مسلکِ ارباب تسلیم و رضا کو دیکھ کر

رہروِ راہ محبت کس قدر ہشیار ہے

راہ کرتا ہے شکلِ رہنما کو دیکھ کر

کوشش ناکام کو جانے بھی دے اے چارہ گر

بوالعجب ! تاثیر ہنستی ہے دوا کو دیکھ کر

وہ گرم سیرِ گلستاں اُدھر رقیب کے ساتھ

ادھر ہے پائے نگہ اور وادئ پُرخار

گمراہ راہنما

اس بزم میں آخر شعراء ہیں۔ کہ نہیں ہیں؟
انداز مرے سب سے جُدا ہیں، کہ نہیں ہیں؟
اتنا تو کوئی حسن کی سرکار سے پوچھے؟
ہم بندۂ تسلیم و رضا ہیں۔ کہ نہیں ہیں؟
ہاں ہیں تو لئے پھرتا ہوں اک سجدۂ بیتاب
ان سے بھی تو پوچھو۔ وہ خدا ہیں۔ کہ نہیں ہیں؟
جلوے کی طلب پیروی حضرت موسیٰ
گمراہ مرے راہنما ہیں۔ کہ نہیں ہیں؟

اسی راہگذر سے

اتنا تو ہوا آہِ شب غم کے اثر سے
فطرت کا جگر پھوٹ بہا چشم سحر سے

امید نے بھی یاس کے مردوں کو پکارا
آئی کوئی آواز نہ دل سے نہ جگر سے

ناصح کو بلاؤ مِرا ایمان سنبھالے
پھر دیکھ لیا اُس نے شرارت کی نظر سے

اے خندۂ گلشن ۔ یہ ہے انجام شب عیش
گل روتے ہیں منھ ڈھانپ کے دامان سحر سے

ایک ایک قدم پر ہے جہاں خندۂ تقدیر

تدبیر گزرتی ہے اسی راہ گزر سے

خورشید قیامت کی طرف دیکھ رہا ہوں

ملتی ہوئی صورت ہے مرے داغ جگر سے

کچھ شانِ کریمی نے اس انداز سے بولا

بھاری ہی رہا دیدۂ تر دامن تر سے

جان جاتی ہے گھڑی بھر کے لئے اور نہ جائے

جاتے جاتے یہ مری جان پہ احساں ہوگا۔

کب مٹائے سے مٹا داغ سیہ کاری کا

صورت مہر سرِ حشر نمایاں ہوگا

دامن دشت و غبار دل لیلیٰ ہے لباس

لاکھ عریاں ہو مگر قیس نہ عریاں ہوگا

خاموش ہو گئے

ارمان فرطِ ضبط سے پُرجوش ہو گئے
آخر یہ فتنے محشر خاموش ہو گئے

آ کر عدم سے بھول گئے وعدۂ الست
مے خانۂ حیات میں مدہوش ہو گئے

ڈھونڈو نبود اس کے سوا اور کچھ نہیں
ہشیار ہو گئے کبھی بے ہوش ہو گئے

او بے نصیب حشر کے وعدے کا حشر دیکھ
وہ رفتہ رفتہ وعدہ فراموش ہو گئے

سامانِ ضبط ہی نہ رہا پردہ دارِ ضبط
حسرت فروشِ غم لب خاموش ہو گئے

دل میں ہجوم یاس ہے بیٹھے ہیں دم بخود
اب ہم بھی ایک محفل خاموش ہو گئے

للہ پھیر لے اسے اے قاسم ازل
دل لے کے ہم تو فتنہ در آغوش ہو گئے

بے موسمی کا شغل تھا اپنی نماز بھی
فصل بہار آ گئی مے نوش ہو گئے

بے ربطیٔ فسانہ کا اب تذکرہ ہی کیا
خاموش تم نے کر دیا خاموش ہو گئے

طوفاں اٹھائے پھرتے تھے ہوش و خرد حفیظ
دیکھی جنوں کی شکل تو خاموش ہو گئے

بندے کا خدا ہو جانا

تیر چلنے پہ نہ آنا کہ خطا ہو جانا
لب تک آتے ہوئے شکوے کا دعا ہو جانا

حیرت انگیز ہیں نقاش ازل کے ہاتھوں
مری تصویر کا تصویر فنا ہو جانا

دست تقدیر میں شمشیر جفا دیتا ہے
خود بخود بندۂ تسلیم و رضا ہو جانا

اس کی افتاد پہ خورشید کی رفعت قرباں
جس کو بھایا ترا نقش کف پا ہو جانا

شوخیٔ باد ہوئی باعث تعمیر حباب
یعنی ہستی ہی میں رکھا تھا فنا ہو جانا

رونق بزم ہے شیون سے تو شیون ہی سہی
ہمصفیران چمن پھر نہ خفا ہو جانا
داور حشر کا انصاف اشارے ان کے
بس یہی ہے کسی بندے کا خدا ہو جانا

مد و جزر

یہاں جز کشتیٔ موج بلا کچھ بھی نہ پاؤ گے
اسی میں بیٹھ کر دریائے ہستی سے اُتر جانا
حُباب آسا مٹے سب ولولے جوش جوانی کے
غضب تھا قُلزمِ اُمید کا چڑھ کر اتر جانا
بُری حالت بُری شے ہے کہ ہم نے دوست دشمن کو
نہ سمجھا تھا، مگر سمجھا، نہ جانا تھا، مگر جانا
مبادا پھر اسیرِ دام عقل و ہوش ہو جاؤں
جنوں کا اس طرح اچھا نہیں حد سے گزر جانا

مجھے ڈر ہے گلوں کے بوجھ سے مرقد نہ دب جائے
انہیں عادت ہے جب آنا ضرور احسان دھر جانا

مختاری و مجبوری

دار بھی پیشِ نظر دعوئ منصور بھی ہے
یہ وہ منزل ہے کہ نزدیک بھی ہے دور بھی ہے

وقتِ رخصت مری آنکھوں کی سفیدی پہ نہ جاؤ
چہرۂ صبح کو دیکھو تو کہیں نور بھی ہے

کہیں پابندِ نیاز اور کہیں خسروِ ناز
ایک ہستی ہے کہ مختار بھی مجبور بھی ہے

ذرا دیکھ رہا ہوں

حیران نہ ہو دیکھ میں کیا دیکھ رہا ہوں
بندے! تری صورت میں خدا دیکھ رہا ہوں

وہ اپنی جفاؤں کا اثر دیکھ رہے ہیں!
میں معنیٔ تسلیم و رضا دیکھ رہا ہوں

دزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہو؟
کیا بات ہے! یہ آج میں کیا دیکھ رہا ہوں

ہے حسن یہی شے تو گماں اور نہ کیجئے
سودا نہیں مطلوب ذرا دیکھ رہا ہوں

کس طرح نہ قائل ہوں دعائے سحری کا

کیوں ارض وطن تنگ ہے یہ بات ہی کیا ہے
اب تو فقط اک قبر کی جا دیکھ رہا ہوں
مر جانے کی دھمکی ہوئی تمہید تماشا
میں نے کہا دیکھ۔ اس نے کہا دیکھ رہا ہوں

راہ و راہرو

کشتیٔ عمر کنارے سے لگی آخرکار
موت کے گھاٹ اُترتے ہیں اُترنے والے
دل حسینوں سے بچانا ہو تو آنکھیں ہی کھول
انہی زینوں سے اُترتے ہیں اترنے والے
ہاں سنو میرا افسانہ ابھی قائم ہیں حواس
کوئی دم میں ہیں یہ اوراق بکھرنے والے
مسکن امن نہیں ہے یہ سرائے فانی
ہم تو چلتے ہیں۔ ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

محوِ تماشا

وہ ہوئے پردہ نشیں انجمن آرا ہو کر
رہ گیا میں ہمہ تن چشمِ تمنّا ہو کر

حسن نے عشق پہ حیرت کی نگاہیں ڈالیں
خود تماشا ہوئے ہم محوِ تماشا ہو کر

آنکھ کمبخت سے اس بزم میں آنسو نہ رکا
ایک قطرے نے ڈبویا مجھے دریا ہو کر

کوئی ہو دردِ محبّت کا مداوا کر دے
ملک الموت ہی آجائے مسیحا ہو کر

کچھ تعجب نہیں کعبے میں اگر جی نہ لگے

رنگ و روغن پہ نگاہیں نہ کبھی للچائیں
مُجھ کو دنیا نظر آتی رہی دنیا ہو کر

پینے میں کمی !

بے تعلق زندگی اچھی نہیں — زندگی کیا موت بھی اچھی نہیں

دل لگاؤ تو لگاؤ دل سے دل — دل لگی ہی دل لگی اچھی نہیں

ہوش میں آؤ دلِ خانہ خراب — دلبروں سے دل لگی اچھی نہیں

ناامیدی کا ہوا دل میں قیام — شیشہ اچھا ہے پری اچھی نہیں

یہ ہوا یہ ابر یہ سبزہ حفیظؔ
آج پینے میں کمی اچھی نہیں !

لمبی مُلاقاتیں گئیں

رنگ بدلا یار نے وہ پیار کی باتیں گئیں!

وہ مُلاقاتیں گئیں، وہ چاندنی راتیں گئیں

پی تو لیتا ہوں مگر پینے کی وہ باتیں گئیں!

وہ جوانی وہ سیاہ مستی، وہ برساتیں گئیں

اللہ اللہ کہہ کے بس اک آہ کرنا رہ گیا

وہ نمازیں۔ وہ دعائیں، وہ مناجاتیں گئیں

حضرتِ دِل اب نئی اُلفت سمجھ کر سوچ کر

اگلی باتوں پر نہ بھولیں آپ وہ باتیں گئیں

راہ و رسمِ دوستی قائم تو ہے لیکن حفیظ

ابتدائے شوق کی لمبی ملاقاتیں گئیں

مسیحائی کر

جلوۂ حسن کو محروم تماشائی کر

بے نیازی صفتِ لالۂ صحرائی کر

ہاں بڑے شوق سے شمشیر کے اعجاز دکھا

ہاں بڑے شوق سے دعوائے مسیحائی کر

میں تو مجبور ہوں عادت سے کہے جاؤنگا

تو کوئی بات نہ سن اور نہ پذیرائی کر

اپنے بیمار کی یہ آخری امید بھی دیکھ

ملک الموت سے کہتا ہے مسیحائی کر

مجھ کو لے جا کے در یار پہ قاصد نے کہا

خامہ فرسائی نہ کر ناصیہ فرسائی کر

ہم تری صورت انکار کو پہچانتے ہیں
وہ تبسّم تو شریک لب گویائی کر

آوازِ نفس

وہ قافلہ آرام طلب ہو بھی تو کیا ہو؟
آوازِ نفس ہی جسے آوازِ درا ہو
خاموش ہو کیوں دعوٰی اُلفت کے گواہو
محشر تو بپا ہو۔ مرے نالو مری آہو!
اس دارِ فنا میں مری ہستی کوئی دیکھے
اک دم کا بھروسا ہے جو اک دم میں فنا ہو
مجھ کو نہ سنا خضر و سکندر کے فسانے
میرے لئے یکساں ہے فنا ہو کہ بقا ہو

اُترا ہُوا دریا

دو روز میں شباب کا عالم گزر گیا!
بدنام کرنے آیا تھا بدنام کر گیا!

بیمارِ غم مسیح کو حیران کر گیا!
اُٹھا۔ جُھکا۔ سلام کیا گر کے مر گیا!

گزُرے ہوئے زمانے کا اب تذکرہ ہی کیا
اچھا گزُر گیا۔ بہت اچھا گزر گیا!

دیکھو یہ دل لگی کہ سرِ رہگزارِ حُسن
اک اک سے پوچھتا ہوں مرا دل کدھر گیا!

اے چارہ گر منا مرے تیغ آزما کی خیر
اب دردِ سر کی فکر نہ کر دردِ سر گیا!

اے مرے رونے والو خدارا جواب دو

وہ بار بار پوچھتے ہیں کون مر گیا

شاید سمجھ گیا مرے طولِ مرض کا راز

اب چارہ گر نہ آئے گا اب چارہ گر گیا

جلوہ دکھا کے چھپ گیا وہ شوخ اور ہمیں

وقفِ نزاعِ مسجد و بت خانہ کر گیا

اب ابتدائے عشق کا عالم کہاں حفیظ

کشتی مری ڈبو کے وہ دریا اتر گیا

کوئی دیکھتا نہ ہو

عاشق سا بدنصیب کوئی دوسرا نہ ہو

معشوق خود بھی چاہے تو اس کا بھلا نہ ہو

ہے مدّعائے عشق ہی دنیائے مدعا

یہ مدّعا نہ ہو تو کوئی مدّعا نہ ہو

عبرت کا درس ہے مجھے ہر صورت فقیر

ہوتا ہے یہ خیال کوئی بادشاہ نہ ہو

پایانِ کار موت ہی آئی بروئے کار

ہم کو تو وصل چاہیئے کوئی بہانہ ہو

کعبہ کو جا رہا ہوں نگہ سوئے دیر ہے

پھر پھر کے دیکھتا ہوں کوئی دیکھتا نہ ہو

ہاں اے حفیظ چھیڑ جا نغمہ ہائے وقت
جب تک نزار بابِ سخن بے صدا نہ ہو

زباں کی دسترس پہنائے داماں بیاں تک ہے
یہ دل ہی جانتا ہے وسعتِ معنی کہاں تک ہے
غمِ منزل نشانِ نقشِ پائے رہرواں تک ہے
تلاشِ کارواں مشکل سراغِ کارواں تک ہے
دگرگوں ہے زمانہ میکشوں کی خیر ہو یارب
ہوا خواہِ طریقِ محتسب پیرِ مغاں تک ہے
مذاقِ اہلِ بینش پر ہنسی آتی ہے اب مجھکو
کہ برہم خندۂ گُل سے مزاجِ باغباں تک ہے

خدا نے مار ڈالا

...وں نے یا خدا نے مار ڈالا
محبّت کے بہانے مار ڈالا

...سیحا کو نہ آنا تھا نہ آئے
قضا آئی قضا نے مار ڈا...

...رہے ان کے بہانے ہی بہانے
بہانے ہی بہانے مار ڈ...

...بتو کیوں قتل سے کرتے ہو پرہیز
اگر مجھ کو خدا نے مار ڈ...

...محبّت کو مرض سمجھے ہوئے تھے
طبیبوں کی دوا نے مار ڈا...

...کہا یہ سُن کے ذکرِ مرگِ دشمن
کسی کی بد دعا نے مار ڈا...

اُسے یہ ظلم! ارے یہ سرد مہری
زمانے! او زمانے! مار ڈالا

اِنکار کا عادی

اظہار حقیقت کوئی دشوار نہ کر دے
پابندِ رسوم رسن و دار نہ کر دے
یہ حسن کہیں عشق کو بیزار نہ کر دے
دنیا کی حقیقت سے خبردار نہ کر دے
دل گرمی امید کا اظہار نہ کر دے
مجھ کو بھی گنہگار گنہ گار نہ کر دے
اے داور حشر اس سے نہ کر پُرسشِ ایماں
انکار کا عادی کہیں انکار نہ کر دے

خُدا اور میں

ساموت کا ہے اور میں ہوں — بزرگوں کی دعا ہے اور میں ہوں

ر دُنیا ہے اور دُنیا کے بندے — ادھر میرا خدا ہے اور میں ہوں

ق طالب دار و رسن ہے — پرانا ادّعا ہے اور میں ہوں

وچھو حال میرا کچھ نہ پوچھو — کہ تسلیم و رضا ہے اور میں ہوں

اروں کام جو بگڑے ہوئے ہیں — مگر صیقل گر خدا ہے اور میں ہوں

حفیظؔ آلام فرقت کی نہ پوچھو
محبت کی سزا ہے اور میں ہوں

دیکھا جائیگا

مٹایا تو نے مجھ کو جوشِ ایماں دیدہ خواہد شد
صنم کہتے ہیں۔ جا ہو جا مسلماں دیدہ خواہد شد

ہوا ہے فصلِ گُل کے ساتھ ہی دورانِ خوں رخصت
پھر اگلے سال اے خارِ مغیلاں دیدہ خواہد شد

بہار آنے تو دو، ہوش و خرد جانے تو دو ٹھہرو
گلستاں دیدہ خواہد شد، بیاباں دیدہ خواہد شد

فلک کہتا ہے انساں محو ہے تو آرزوؤں میں
بنا بیٹھا ہے پریوں میں سلیماں دیدہ خواہد شد

ہمارے ہی عزیزوں سے تجھے ہوا اختلاف ایسا!
ہمیں سے نفرت اے مرگِ عزیزاں دیدہ خواہد شد

نبض میں کیا رکھا ہے

عشق نے عقل کو دیوانہ بنا رکھا ہے
فکر انجام کی اُلجھن میں پھنسا رکھا ہے

اٹھ کے بالیں سے مرے فکر کی تدبیر کرو
نبض کیا دیکھتے ہو نبض میں کیا رکھا ہے

میری قسمت کے نوشتہ کو مٹا دے کوئی
مجھ کو قسمت کے نوشتے نے مٹا رکھا ہے

آپ بیتاب نمائش نہ کریں جلووں کو
ہم نے دیدار قیامت پہ اُٹھا رکھا ہے

نہالِ بے ثمر

حال میرا نزع تک نوعِ دگر ہوتا گیا
نوحہ گر ہوتا گیا جو چارہ گر ہوتا گیا

ضُعف سے ساری امیدیں خاک میں ملتی گئیں
آہ بے تاثیر۔ نالہ بے اثر ہوتا گیا!

عیش میں لذّت کے بدلے ذلّتیں ملتی گئیں
نفع بھی ہوتا گیا جتنا ضرر ہوتا گیا!

زندگی کی منزلوں میں جس قدر آگے بڑھے
دل کشی کے ساتھ رستہ پُرخطر ہوتا گیا

دردِ دل کہتا گیا میں اور وہ سنتے گئے
حلق اِدھر خشک اور اُدھر رومال تر ہوتا گیا

باغ ہستی میں عجب شے ہے نہالِ آرزو
جس قدر بڑھتا گیا یہ بے ثمر ہوتا گیا
وقتِ پیدائش جو گریہ تھا۔ بدستور اب بھی ہے
ابتدا میں جو ہوا وہ عمر بھر ہوتا گیا

خاک سے پاک

رکھتی تھی لاگ میرے گریباں سے نوبہار
دامن گُلوں کے باغ میں کیوں چاک ہو گئے
زیدوں نے کھوئی ضبطِ محبّت کی آبرو
کم بخت ان کے سامنے نمناک ہو گئے
گردِ گناہ اشکِ ندامت سے دُھل گئی!
لو اے حفیظؔ خاک سے تم پاک ہو گئے

دل ہے نہ تمنّا ہے

جلووں کا تقاضا ہے، جلنے کا تہیّا ہے
یہ دل ہے کہ موسیٰ ہے۔ سینہ ہے کہ سینا ہے
اُس جلوے کی ماہیت معلوم نہیں کیا ہے
جو خود ہی تماشائی جو خود ہی تماشا ہے
اے حسرتِ ناکامی۔ تیرا ہی بھروسا ہے
تو جانِ تمنّا ہے، ایمانِ تمنّا ہے
فطرت کی قلم کاری گُلگشت جسے کہتے ہیں
اک گل کے تبسّم کا بگڑا ہوا نقشا ہے
کچھ راز نہیں کھُلتا دزدیدہ نگاہی کا

آبادی ہی آبادی - بربادی ہی بربادی

وہ حسن کا عالم ہے یہ عشق کی دُنیا ہے

اے بیخودئ حیرت یہ بھی نہ کھُلا تجھ پر؟

موسیٰ ہے کہ جلوا ہے جلوا ہے کہ موسیٰ ہے

بستی ہمہ بربادی صحرا ہمہ آبادی

یہ عشق کی دنیا ہے کیا عشق کی دُنیا ہے

تیری یہ کثیف آنکھیں اور حُسن کا نظّارہ

بیتاب نہ ہو غافل جلوہ نہیں پردا ہے

عاشق ہے حفیظ آخر نفرت نہ کرو اس سے

انسان کی صورت ہے اللہ کا بندا ہے

ٹوٹے ہوئے دِل سے

اُمیدیں آرزوئیں کھیلتی ہیں یوں مرے دل سے
پلٹ جاتی ہیں موجیں جسطرح ٹکرا کے ساحل سے

مرے مر مر کے جی اُٹھنے پہ کیوں اتنا تعجب ہے
کہ ہوں دلدادۂ غربت پلٹ آتا ہوں منزل سے

سکونِ زندگی حاصل ہوا ترکِ عمل کر کے
نہ خوش ہوتا ہوں آساں سے نہ گھبراتا ہوں مشکل سے

مرے اللہ شاید تیرا کوئی خاص مقصد تھا
مری پھوٹی ہوئی تقدیر سے ٹوٹے ہوئے دل سے

سرِ مقتل حفیظ اپنا کوئی ہمدم نہ تھا۔ لیکن
نگہ کچھ دیر تک لڑتی رہی شمشیرِ قاتل سے

وہ کیا ارشاد کرتے ہیں؟

ارادہ تھا کہ سیرِ گلشنِ ایجاد کرتے ہیں
کہ اتنے میں اجل آکر پکاری یاد کرتے ہیں

ہجومِ آرزو سے شہرِ دل آباد کرتے ہیں
ہم اپنی خاک اپنے ہاتھ سے برباد کرتے ہیں

طرفداری نہ کر۔ انصاف کر اے داورِ محشر
سزا دے اُن بتوں کو ورنہ ہم فریاد کرتے ہیں

کبھی تو رنگ لائے گا۔ کبھی تو گُل کھِلائے گا!
ہم اپنا خون صرفِ گلشنِ ایجاد کرتے ہیں

جہاں کو کار پردازانِ قدرت کھیل سمجھے ہیں
کبھی آباد کرتے ہیں کبھی برباد کرتے ہیں

کسی امید پہ زندہ رہوں یا گھٹ کے مر جاؤں
وہ کیا کہتے ہیں اے قاصد وہ کیا ارشاد کرتے ہیں

گریباں ہی گریباں

وہی کپڑا خرد کے لب پہ جس کا نام داماں تھا
جنوں کے ہاتھ سے اک دن گریباں ہی گریباں تھا
یہ دشتِ نجد میں پایا سُراغِ قیس لیلےٰ نے
کہیں دامن کا ٹکڑا تھا۔ کہیں تارِ گریباں تھا
مجھے بُرہم سمجھ کر ہجوِ مے کو پی گیا زاہد
وگرنہ آج میرا ہاتھ تھا اُس کا گریباں تھا

فراقِ روح و تن

برہمن جس دن عدوئے ما و من ہو جائے گا

شیخ بُت خانے میں جا کر برہمن ہو جائے گا

عشق پھر کرنے لگا دعویٰ انا المنصور کا

پھر زباں زو قصۂ دار و رسن ہو جائے گا

دہر کی بے مائیگی ہی سے نہ رہ محبوبِ زیست

مر بھی جا ہو جائے گا گور و کفن ہو جائے گا

روح و تن نے مل کے خود رکھی تھی بنیادِ وصال

یہ خبر کیا تھی فراقِ روح و تن ہو جائے گا

عشق کے انصاف پر فرہاد بھی حیران ہے

یہ نہ تھا معلوم تیشہ کوہ کن ہو جائے گا

صورت دیکھنے والے

ذرا انصاف کرا و میری حالت دیکھنے والے
کہیں دیکھے بھی ہیں ایسی مصیبت دیکھنے والے

مٹائے لوحِ دل سے یاس نے احساس کے نقشے
مجھے نادِم نہ کر نقشِ ندامت دیکھنے والے

اُٹھا رکھا ہے میں نے آپ کا دیدار محشر پر
مرا منھ تک رہے ہیں میری ہمت دیکھنے والے

لگایا اِس لئے آئینہ اس نے روزنِ در میں
کہ اپنا منھ تو دیکھیں میری صورت دیکھنے والے

خزاں کی داستان

ہوئی وجہِ الم سیرِ بہارِ گلستاں مجھکو
سُنائی پتے پتے نے خزاں کی داستاں مجھکو

الٰہی کیا اسی کا نام سوزِ دردِ اُلفت ہے
نہ تابِ ضبط ہے مجھکو نہ یارائے فغاں مجھکو

یہی ہے حشر تو اِس ساحری کو کون مانے گا
کہ جھٹلاتے ہیں خود میری زباں میرا بیاں مجھکو

وفورِ بے خودی نے مرحلے طے کر دیئے سارے
کہ اپنا ہی مکاں اب ہو گیا ہے لامکاں مجھکو

برہمن میرا

ہے قفس میں جو ازل ہی سے نشیمن میرا
تمنہ تکا کرتی ہے برقِ شرر افگن میرا

دیکھ اے رحمتِ حق میرے گلے سے نہ لپٹ
میں گنہگار ہوں آلودہ ہے دامن میرا

کب سے پابندِ قفس ہوں مجھے معلوم نہیں
شاخِ سدرہ پہ کسی دن تھا نشیمن میرا

روح کو خاک کے دامن میں لئے بیٹھا ہوں
میرا قالب ہی حقیقت میں ہے مدفن میرا

گردنِ غیر میں ہیں ہاتھ حمائل اُن کے
ہاں گلا گھونٹ کمندِ رگِ گردن میرا

جانبِ کعبہ تو چلتا ہوں مگر یا اللہ

بُتکدہ میرا! صنم میرے!! برہمن میرا!!!

نہ لگاؤ ہے کسی سے نہ مجھے لاگ حفیظ

دوست میرا کوئی دُنیا میں نہ دشمن میرا

رشتۂ اسلام

اے برہمن مجھے زنّار سے کیا کام ابھی

میری گردن میں تو ہے رشتۂ زنّار ابھی

اپنے آغازِ محبت پہ ہنسی آتی ہے

دل کو رہ رہ کے ہے اندیشۂ انجام ابھی

قیس و فرہاد پہ موقوف نہیں کیا معلوم

دربدر کس کو پھرائے ہوسِ خام ابھی

کفِ صیّاد

مضحکہ آؤ اُڑائیں عشقِ بے بُنیاد کا
اِک خُدا مدفن بنائیں تیشۂ فرہاد کا

واہ وا کیا رنگ بدلا گلشنِ ایجاز کا
سایۂ گُل پر گماں ہونے لگا صیّاد کا

بہہ چلا ہے اشکِ حسرت ہاں مداوئی برقِ یاس
یہ بھی اک دانہ ہے میرے خرمنِ برباد کا

کس نگاہِ گرم سے دیکھا ہے اُس نے وقتِ قتل
آہ ٹھنڈی پڑ گئی دَم گھٹ گیا فرہاد کا

غُنچہ غُنچہ خوف سے مجھ کو نظر آیا قفس
پتّے پتّے پر ہُوا دھوکا کفِ صیّاد کا

ہو نہ احساس اسیری تو رہائی ہے محال

ایسے قیدی نام تک لیتے نہیں میعاد کا

ضعف کی یہ تہمتیں ہیں ناتوانی کا یہ زور

ٹکڑے ٹکڑے کر دیا دامن مری فریاد کا

فتنۂ مدفن

مری بے مائگی شرما رہی ہے اہل گلشن سے

کبھی بجلی نہ آسودہ گئی میرے نشیمن سے

وہ روز آتے ہیں پہروں بیٹھ کر آنسو بہاتے ہیں

الہی کون سا فتنہ اٹھیگا میرے مدفن سے

مثالِ گرد میں بھی آج سر گرمِ تعاقب ہوں

کہ اُترے گا کہیں تو شہسوارِ ناز توسن سے

پکا مسلمان

نہ جب تک جلوۂ کُن وافسِر قندیلِ امکاں تھا
نہ یوں صورت سے روشن تھا۔ نہ یوں معنیٰ میں پنہاں تھا
غضب کا عبرت افزا انقلابِ چرخِ گرداں تھا
ابھی اک شور برپا تھا ابھی اک ہُو کا میداں تھا
اُمید ویاس کی رُوداد ہے اُلفت کا افسانہ
کبھی جینے کے ارماں تھے کبھی مرنے کا ساماں تھا
دفورِ اشک نے آخر حقیقت کھولدی دل کی
اسی کوزے میں دریا تھا۔ اسی قطرے میں طوفاں تھا
کبھی چشمِ بصیرت سے نہ دیکھی سرزمیں دِل کی
یہاں کا ذرہ ذرّہ آفتابِ اوجِ عرفاں تھا

ہوئی یہ رات بھر میں خندہ ہائے عیش کی صورت
چمن کا غنچۂ غنچہ صبح کو اک چشم گریاں تھا

بُتوں کے عشق میں کیونکر پھنسا اب یہ خدا جانے
بظاہر تو ہمارا دل بڑا پکا مسلماں تھا

ہوائے جاہ و دولت وجہِ ناکامی ہوئی ورنہ
ہمارا بوریائے بے ریا تختِ سلیماں تھا

بہارِ آرزو کیسی خزانِ یاس کے دن ہیں
ہمارا خطۂ دل ہاں کبھی گلشن بداماں تھا

مارا ہم کو

فکرِ امراض ہمیں - موت کا دھڑکا ہم کو

روز کی کشمکشِ زیست نے مارا ہم کو

بس کر اے بیخودیِ ذوقِ ندامت بس کر

بھول جائے نہ غمِ دوش میں فردا ہم کو

جاؤ ہاں جاؤ رقیبوں کی مُرادیں بر لاؤ

رہنے دو رہنے دو ناکامِ تمنّا ہم کو

ہے ابھی دُور بہت دور ہماری منزل

حکم ہے فرش سے تا عرش مُعلّٰی ہم کو

وہ نگہ باندھ گئی دِل میں طلسمِ اُمیّد

نظر آتی ہے تمنا ہی تمنّا ہم کو

شہرِ اُلفت میں کوئی تفرقہ پرداز نہیں

کہیں کعبہ نظر آیا نہ کلیسا ہم کو

رنج کسی کا دیا ہُوا

اُلفت ہوئی۔ ٹوٹی۔ وہ ہُوا بے وفا ہوا
اچھا ہوا۔ بُرا ہوا۔ جو بھی ہُوا... ہُوا
رزّاقِ دو جہاں کے خزانے کو کیا ہُوا
ملتا ہے رنج وہ بھی کسی کا دیا ہُوا
بیمارِ غم کی پوچھتے ہو سرگذشت کیا
اک آہ کی غریب نے اور دَم ہوا ہُوا
بس دور ہی سے زندگیٔ خضر کو سلام
زہر آبِ غم ہے آبِ بقا میں ملا ہُوا
پھر مردہ آرزو دل میں اک روح پھونک دی
گذرا پھر اس طرف سے کوئی دیکھا ہُوا

ٹکڑے مری فغاں کے

غمّاز بن گئے ہیں آنسو غمِ نہاں کے
آنکھوں سے گر رہے ہیں ٹکڑے مری فغاں کے

آنکھوں میں آ بسے ہیں سب حوصلے زباں کے
اب اختتام پر ہوں میں اپنی داستاں کے

میری سیاہ بختی یہ پہلو نکالتی ہے
ہر نفع میں ضرر کے ہر سود میں زیاں کے

با ایں ہمہ کہولت یہ پیر زالِ دُنیا
پیچھے پڑی ہوئی ہے ہر ایک نوجوان کے

انگڑائی لے رہا ہے بیمارِ غم کسی کا
پَر تَول رہے ہیں گویا اُڑنے کو مرغِ جاں کے

دِل سے کہ جگر سے پہلے

عِشق میں چھیڑ ہوئی دیدۂ تَر سے پہلے
غم کے بادَل جو اُٹھے تو ہمیں بَرسے پہلے

ہاتھ رَکھ رَکھ کے وہ سینے پہ کِسی کا کہنا
دل سے دَرد اُٹھتا ہے پہلے، کہ جگر سے پہلے

دِل کو اَب آنکھ کی منزل میں بِٹھا رکھیں گے
عِشق گزرے گا اسی راہ گُذر سے پہلے

وہ ہر اِک وعدے سے اِنکار بطرزِ اقرار
وہ ہر اِک بات پہ ہاں لفِظ مگر سے پہلے

چاک دامانیٔ گل کا ہے گِلا کیا بُلبُل
کہ اُلجھتا ہے یہ خود بادِ سحر سے پہلے
کچھ سمجھدار تو ہیں لغزش اُٹھانے والے
لے چلے ہیں مجھے اِس راہ گذر سے پہلے

نازک دماغی

میں وہ برگ خزاں دیدہ ہوں اِس گلزارِ ہستی میں
بگولے جس کے شائق جس پہ عاشق بادِ صرصر ہو
یہی نازک دماغی باعثِ رسوائیِ گُل ہے
صبا کی اِک ذرا سی چھیڑ میں جامہ سے باہر ہو

سرفراز

دنیا کے حسن و عشق میں یہ امتیاز ہے
اک ہے نیاز مند تو اک بے نیاز ہے
سچ پوچھئے تو نیستی ہستی کا راز ہے
جو سر چڑھا ہے دار پہ وہ سرفراز ہے
کچھ ہوش ہے تو چشم حقیقت نگر سے دیکھ
محمود ذرّے ذرّے میں حسنِ ایاز ہے
ٹوٹے تو موت ہی سے یہ ٹوٹے کا سلسلہ
ورنہ شبِ فراق کی رسّی دراز ہے
یہ بھی کمالِ عشق کی ہیں بے نیازیاں
جو تھا نیاز مند وہی بے نیاز ہے

مینوش بادل

فلک سے آج شورِ نعرۂ مستانہ آتا ہے
کوئی مے نوش بادل جانبِ میخانہ آتا ہے

لحاظِ خاطرِ احبابِ دیرینہ ہے اے زاہد
چلوں کیا سوئے مسجد راہ میں میخانہ آتا ہے

یہ کس کی جستجو میں آج مجنوں بنگئی لیلیٰ
یہ کیا ہے آج ناقہ جانبِ ویرانہ آتا ہے

چلی ہے جان یادِ رفتگاں میں
مسافر ہے تلاشِ کارواں میں

اِنقلاب

مجھے ہے گردشِ پیمانہ گویا گردشِ قسمت
کہ آیا محتسب بھی ساتھ جب جامِ شراب آیا

ہزاروں باوفا معشوق ہیں لیکن مری قسمت
جب آیا بے وفاؤں پر دلِ خانہ خراب آیا

نظر آتا ہے کچھ بدلا ہوا سا رنگ عالم کا
حفیظ اک دو برس میں دیکھ لینا انقلاب آیا

سنتا ہوں جو ستم کی سزا میرے لئے ہے
میں ایسا گنہگار یہ کیا میرے لئے ہے

آخری اک آرزو

ذرا دم لے۔ کوئی ساعت ٹھہر اے مرگِ مایوسی
تمنا ہے کہ اُن سے آخری اک آرزو کرلوں

وہ آوازِ اذاں ہوئی۔ ہُوا وقت نماز اچھا
جنابِ شیخ چلئے سُوئے مسجد میں وضو کرلوں

فراقِ دوستانِ بزمِ ہستی شاق ہے لیکن
ذرا گم گشتگان کی بھی عدم میں جُستجو کرلوں

حفیظ آسان ہے ترکِ وفا میرے لئے لیکن
زمانے بھر کی لعنت کس لئے طوقِ گلو کرلوں

کہا شیریں نے رو کر لاشۂ فرہاد کے آگے
نہ بھی اے پیر زن آئے تری اولاد کے آگے

راہ کا تھکا ماندہ

کم بخت دل بُرا ہو تری آہ کا !
لے وہ بھی آتا ترک ہُوا گاہ گاہ کا
یارب بیان سُن لیا دِل سے گواہ کا
اب رحم پر معاملہ ہے داد خُواہ کا
چھیڑو نہ بیٹھی نیند میں اے منکر و نکیر
سونے دو بھائی۔ میں تھکا ماندہ ہوں راہ کا
میرے مقلّدوں کو مری راہِ شوق میں
ہر گام پر نشان مِلا سجدہ گاہ کا
کِس منہ سے کہہ رہے ہو مجھے کچھ غرض نہیں
کِس منہ سے تم نے وعدہ کیا تھا نباہ کا

دل لینے والی بات اِسی دل سے پوچھئے
مالک یہی ہے میرے سفید و سیاہ کا
دِل میں کھنچا ہے نقشۂ توحید اے حفیظ
نعرہ ہے لب پہ اَشھدُ اَن لّا اِلٰہ کا

مدفن میں قیامت

یہ کِس نے بجلیاں بھر دی ہیں یارب میرے شیون میں
لگے آگ اِس محبت کو لگا دی آگ سی تن میں

نہ کرنا بھول کر رُخ اِس طرف اے ناقۂ لیلےٰ
غبارِ قیس پھرتا ہے ابھی تک نجد کے بن میں

پڑی ہے ٹھوکریں کھانیکو اِس ظالم کے کوچے میں
یہ کہہ دو اُٹھ کے آجائے قیامت میرے مدفن میں

اسی سے لوگ جیتے ہیں اِسی سے لوگ مرتے ہیں
یہ کیا اِعجاز کیا جادُو ہے چشمِ سامری فن میں

غرق کر دے حوضِ کوثر میں

نہ چھیڑ اے ہمنشیں ہم ہیں خیالِ روئے دلبر میں
برسنے کو بھرے بیٹھے ہیں بادل دیدۂ تر میں

نہیں نیت جنابِ شیخ! جن کی حوضِ کوثر میں
وہ جلوہ دیکھتے ہیں دو جہاں کا ایک ساغر میں

ازل میں لینے والے عیش و عشرت لے گئے سارا
زمانے بھر کی ناکامی رہی میرے مقدر میں

یہ کس خورشید رو نے میرے چہرے سے نقاب الٹا
یہ کس کے پرتوِ رخ نے لگا دی آگ محشر میں

خدا کے واسطے دیکھ اور موذن وصل کی شب ہے
چھری چل جائے گی مجھ پر تری اللہ اکبر میں

سزائے معصیت اب اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی
الٰہی مسکینوں کو غرق کر دے حوضِ کوثر میں

سودائے رہ نوردی پھر گامزن ہے سر میں
بیٹھا ہوں اپنے گھر میں لیکن ہوں میں سفر میں
حیراں ہوں کیا بھرا تھا اِس چشمِ فتنہ گر میں
کچھ سوز سا ہے دِل میں کچھ درد سا جگر میں
کیا بات ہے الٰہی چپ چاپ ہیں اطبّا
سُستی سی ہے نمایاں رفتارِ چارہ گر میں

بے زبان۔ اہلِ زبان

اب شعر و شاعری کے زمانے کہاں رہے

وہ اور لوگ تھے جو مرے ہم زباں رہے

اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ بیٹھ گئے پھر رواں رہے

ہم گرد کی طرح سے پسِ کارواں رہے

ہم بے بسی کے فیض سے دریائے شوق میں

تنکے کی طرح موج کے بَل پر رواں رہے

اچھا جنابِ عشق ہیں! تشریف لائیے

خوب آئے آپ! آئیے حضرت!! کہاں رہے

وہ اور ہمارے پاس! خدا ساز بات تھی
ہم مُدّتوں خدا کی قسم بدگماں رہے

صاحب ہماری توبہ ہمیں باز آ گئے
ہاں ہاں کے بعد پھر بھی نہیں ہی تو ہاں رہے

تھے حق شناس اور اَنَا الحَق نہ کہہ سکے
اہلِ زبان تھے، مگر ہم بے زباں رہے

سر سینکڑوں جہاں میں سروں کی کمی نہیں
اس آستاں کی خیر ہو وہ آستاں رہے

دیکھیں کسی کی قبر میں رہتی ہے یا نہیں
ہر اک یہ چاہتا ہے کہ میرا نشاں رہے

پھر بھی رواں ہے جانبِ ساحل جہازِ عُمر
لنگر رہا کوئی نہ کہیں بادباں رہے

گزُرے ہوئے شتاب کے قصّے نہ چھیڑئیے
وہ ہم نہیں رہے تو بھلا تم کہاں رہے